ماہنامہ

جہد حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

Monthly JEHD-E-HAQ - January 2016 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 23...... شمارہ نمبر 1 ......جنوری2016..... قیمت 5روپے

اگر کراچی بند کردیں تو معیشت کا پہیہ رُک جائے گا۔

اگر ٹھپہ ٹھیک جگہ پر لگ گیا تو ملک کی تقدیر بدل دیں گے۔

مجھے اسلام آباد کی سڑکوں سے پٹسن کی بو آتی ہے۔

جو سستی دوائیاں تھیں وہ تو ہسپتال سے مل گئیں۔ مہنگی دوائی کیسے لوں؟

چار بچے ہیں، ایک مُرغی ہے زمیندار کے ہاں مزدوری کرتے ہیں بدلے میں اناج ملتا ہے، بہت سارا قرض ہے۔۔۔50ہزار۔۔۔ بچے سال بھر گوشت نہیں کھاتے۔

سیمنٹ اور ریت لاہور کا تاریخی، قدرتی اور ثقافتی حُسن ختم کردیں گے۔

بجلی ہم پیدا کرتے ہیں اور ہمیں کچھ نہیں ملتا۔

سوئی گیس ہمارے ہی شہر میں نہیں۔

امّی فیس؟

ایجنٹ گاؤں میں آتا ہے۔ بچی کے ماں باپ کو ساٹھ سے اسّی ہزار روپے دیتا ہے اور بچی کو پندرہ دِنوں کے لیے بیرونِ ملک سیر کے لیے لے جاتا ہے۔

شناختی کارڈ تو زمیندار لے گیا تھا۔ میرے آدمی نے بتایا اس تصویر پر مہر لگا دے۔

65 سال سے نشتر پُل بن رہا ہے۔ دو گھنٹے کا سفر 10 گھنٹے لیتا ہے۔ دریا کے ذریعے 20 افراد کی گنجائش والی کشتی 80 افراد بٹھاتی ہے۔۔۔ کئی کشتیاں ڈوب گئیں۔ ایک میٹرو بس کا خرچہ ہمارے غریب شہر پر بھی کر دو۔

کموڈ منگوائے ڈھاکہ کے لیے اور لگے کراچی میں۔

زچہ اُونٹ پر بیٹھ کر ہسپتال جا رہی تھی کہ راستے میں بچے کی پیدائش ہوگئی۔

بازگشت

10 دسمبر 2015 : ''انسانی حقوق کا عالمی دن''

انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر ایچ آر سی پی کے کارکنوں نے ملک بھر میں پُرامن احتجاجی مظاہروں کا اہتمام کیا

4-5 دسمبر 2015، کراچی: نیشنل لیبر کانفرنس کا انعقاد کیا گیا

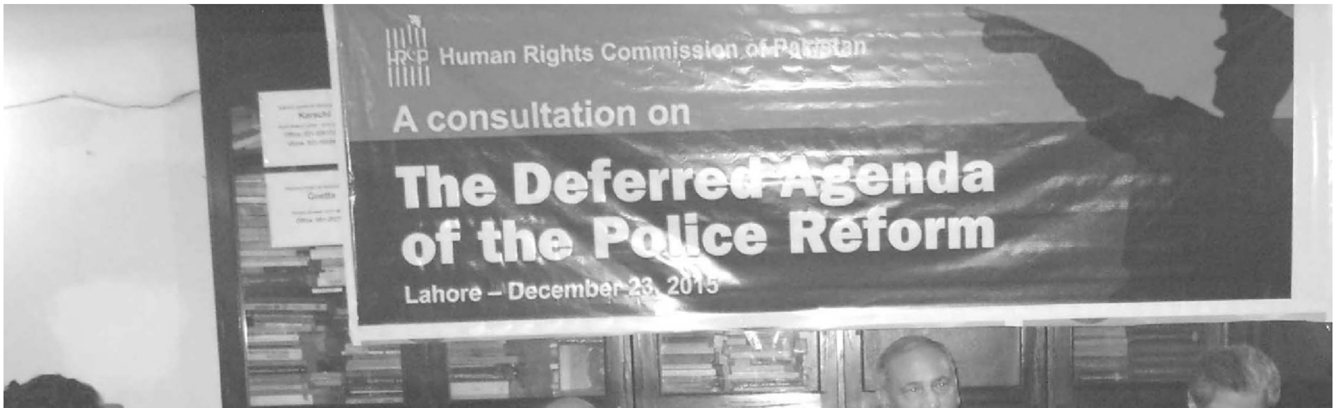

23 دسمبر 2015، لاہور: 'پولیس اصلاحات کا زیرالتوا ایجنڈا' کے عنوان پر ایک مشاورتی تقریب منعقد کی گئی

8 دسمبر 2015، لاہور: جی ایس پی پلس پر مشاورت کا اہتمام کیا گیا

11 دسمبر 2015، اسلام آباد: خواتین کے روزگار اور اراضی کی ملکیت کے حق پر مشاورت منعقد کی گئی

فہرست

ایچ آر سی پی کی جاری کردہ پریس ریلیزیں 5

لوگوں کو قصوروار مت ٹھہرائیں 9

کراچی میں جرائم کم ہوئے، شدت پسند حملے زیادہ 12

انسانی حقوق کا عالمی دن 13

پاکستان میں سزائے موت کے پس پردہ انسانی المیہ 15

کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا مطالبہ بغیر پانی کی تقسیم کے ممکن ہے؟ 17

جمہوری اداروں کی کارکردگی اور شہریوں کی نگرانی کی ذمہ داری کے موضوع پر ورکشاپ 19

حامد اور زینت کے لیے کوئی امید 24

اقلیتیں 25

صحت 26

تعلیم 28

عورتیں 31

کاری، کارو کہہ کر مار ڈالا 34

جنسی تشدد کے واقعات 35

خودکشی کے واقعات 40

اقدام خودکشی 43

انتہا پسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس 45

قانون نافذ کرنے والے ادارے 52

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط 52

انسانی حقوق کے محافظین سے متعلقہ اقوام متحدہ کی قرارداد کی مخالفت باعث تشویش ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کے لیے یہ امر انتہائی تشویشناک اور تکلیف دہ ہے کہ پاکستان نے گزشتہ ہفتہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی قرارداد کی مخالفت کی ہے جس میں انسانی حقوق کے محافظین کے کردار کو تسلیم کرنے اور انہیں تحفظ دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

منگل کو جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا: ایچ آر سی پی یو این۔ جنرل اسمبلی کی قرارداد ''انسانی حقوق کے محافظین کے کردار کی اہمیت اور ان کے تحفظ کی ضرورت''، کی 117 ووٹوں سے منظوری کو خوش آئند قرار دیتا ہے۔ قرارداد 25 نومبر کو منظور کی گئی تھی۔ یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ قرارداد پر اس برس رائے شماری کروانا پڑی اور اسے اتفاق رائے سے منظور نہ کیا جا سکا جو کہ ماضی کی روایت تھی۔ علاوہ ازیں، ایچ آر سی پی کو یہ جان کر انتہائی تشویش اور دکھ ہوا کہ قرارداد کی مخالفت کرنے والے 14 ممالک میں پاکستان بھی شامل ہے۔

یہ امر انتہائی پریشان کن ہے کہ قرارداد کے مخالف تمام 14 ممالک افریقی وایشیائی علاقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قرارداد کی ووٹنگ میں حصہ نہ لینے والے 40 ممالک کی اکثریت کا تعلق بھی اسی علاقے سے ہے۔ اس علاقے میں انسانی حقوق کے محافظین انتہائی خطرناک حالات میں کام کرتے ہیں جن کی وجہ سے امید یہ تھی کہ ریاستیں ان کے کام میں تعاون کرنے اور ان کے تحفظ کے بارے میں پہلے سے زیادہ پُرجوش ہوں گی۔ ایسا لگتا ہے کہ حقوق کے محافظین کو افریقہ اور ایشیاء میں آنے والے دنوں میں مشکل وقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

پاکستان کی جانب سے قرارداد کی مخالفت پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے سول سوسائٹی یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ انسانی حقوق کے محافظین نے ایسا کونسا کام کیا ہے جس کی بدولت ان کے ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک کیا جارہا ہے؟ بدقسمتی کی بات ہے کہ حکومت سول سوسائٹی کو اپنے حریف کے طور پر دیکھنا چاہتی ہے۔ سول سوسائٹی عوام کے حقوق کی نگہبانی کے کردار سے کبھی بھی دستبردار نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ حق ریاست کی جانب سے دی جانے والی رعایت کے زمرے میں نہیں آتا بلکہ ریاست کے ساتھ شہریوں کے معاہدہ عمرانی کی بدولت ملنے والا استحقاق ہے۔

ایچ آر سی پی عوام کے اس حق کی بھی تائید کرتا ہے کہ انہیں پارلیمان کے ذریعے وضاحت فراہم کی جائے کہ حکومت نے صحافیوں، وکلاء اور سیاسی وسماجی کارکنوں سمیت انسانی حقوق کے محافظین کے تحفظ کی ضرورت سے انکار کیوں کیا ہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ یکم دسمبر 2015]

جی ایس پی پلس کی شرائط پر بلا تاخیر عملدرآمد کیا جائے

اگر حکومت اور کاروباری حلقے یورپی یونین کی طرف سے پیش کردہ سہولتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو پھر انہیں بلا تاخیر اور اتفاق رائے کے ساتھ جی ایس پی پلس کی شرائط پر عملدرآمد شروع کردینا چاہئے۔ یہ اتفاق رائے جی ایس پلس پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام منعقدہ دوسرے مشاورتی اجلاس میں سامنے آیا۔

ممتاز اقتصادی ماہر ناصر جمال نے اجلاس کو ان اقدامات کے بارے میں آگاہ کیا جو حکومت اور ٹریڈ چیمبرز نے اس سلسلے میں اب تک کئے ہیں۔ اس حوالے سے حکومت اور ٹیکسٹائل ایکسپورٹ کرنے والے اداروں نے جو اقدامات کئے ہیں، انہوں نے ان کی تعریف کی۔ ساتھ ہی انہوں نے ان کے درمیان نہ صرف وفاقی اور صوبائی سطح پر بلکہ ضلعی سطح پر ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے پر زور دیا۔ اس لیے کہ کوئی ادارہ اپنے طور پر جی ایس پی پلس کی شرائط کو پورا نہیں کرسکتا۔ انہوں نے مزید کہا کہ سرکاری سطح پر چلائی جانے والی مہم اس وقت تک موثر نہیں ہوسکتی جب تک صنعتی مزدوروں کی کوششیں اس میں شامل نہ ہوں۔

مزدور نمائندوں نے مزدوروں کا استحصال کرنے اور انہیں ان کے حقوق نہ دینے کے حوالے سے حکومت اور آجروں کو آڑے ہاتھوں لیا۔ انہوں نے کہا کہ ٹریڈ یونینوں کو دبایا جارہا ہے، مزدوروں کی اجرتیں نہایت کم ہیں، انہیں کم سے کم اجرت نہیں

دی جا رہی۔ آجر اور ای او بی آئی ان کی پنشن کے بارے میں صحیح حساب کتاب کرنے سے انکاری ہیں۔ اگر مزدوروں کے حقوق کا احترام کیا گیا تو وہ جی ایس پی پلس کے مقاصد حاصل کرنے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔ چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی فیڈریشن اور لاہور چیمبر آف کامرس کے نمائندے جمیل ناز نے شکایت کی کہ زندگی کے کسی شعبہ میں دیانتداری اور سنجیدگی باقی نہیں رہی۔ اس کے علاوہ زندگی کے تمام شعبوں کو کرپشن نے تباہ کر دیا ہے، غلط ترجیحات نے پاکستان کو اقتصادی شعبہ میں اس کے حصہ سے محروم کر دیا ہے۔

اجلاس میں عمومی طور پر اتفاق پایا گیا کہ یہ پاکستانی عوام کے مفاد میں ہے کہ انسانی حقوق، لیبر کے حقوق، ماحولیات اور کرپشن سے متعلق 27 انٹرنیشنل معاہدوں پر عملدرآمد کیا جائے۔ شہری اور سماجی ترقی کے ماہر رضا علی نے کہا کہ پاکستان کو 27 معاہدوں پر پوری طرح عملدرآمد کرنا چاہئے، ان معاہدوں پر عملدرآمد کے لئے قانون سازی کی جائے جن کی رسمی توثیق کی گئی اور اس مقصد کے لیے کاروبار اور صنعتوں کے شعبوں کا تعاون حاصل کیا جانا چاہئے۔ سینئر استاد اور انسانی حقوق کے متحرک کارکن ڈاکٹر مہدی حسن نے کہا کہ جی ایس پی پلس کے مقاصد کو اسی وقت پورا کیا جا سکتا ہے جب ملک میں بہتر حکمرانی ہو اور سیاسی جماعتیں اس قابل ہوں کہ ملک میں ایک سیکولر نظام قائم کر سکیں۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے ریاست کو اس قابل بنایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگوں کے حقوق کا تحفظ کر سکے۔

اجلاس کے شرکاء کا خیر مقدم کرتے ہوئے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے سیکرٹری جنرل مسٹر آئی۔ اے۔ رحمٰن نے بتایا کہ کمیشن کا مقصد حکمرانوں اور کاروباری حضرات کو باور کرانا ہے کہ جی پیس پی پلس سے کیسے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ کس طرح 27 معاہدوں میں دیئے گئے حقوق حاصل کرکے لوگوں کی زندگیوں کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اجلاس کے شرکاء نے اس تجویز سے اتفاق کیا کہ جی ایس پی پلس کی کامیابی عوامی حمایت کے ذریعے ہی ممکن ہے اور اس کے لیے عوام میں آگاہی پیدا کرنا بے حد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ آجروں اور اجیروں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کرنا بھی ضروری ہے۔ اجلاس میں ماہرین، مزدور رہنماؤں اور سول سوسائٹی کے نمائندوں نے شرکت کی۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 09 دسمبر 2015]

قومی مزدور کانفرنس کا انعقاد

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے ہوٹل ریجنٹ پلازا کراچی میں 4 اور 5 دسمبر 2015 کو لیبر کانفرنس کا انعقاد کیا۔ کانفرنس میں ملک بھر کے مزدور رہنماؤں نے شرکت کی اور بحث میں حصہ لیا۔ کانفرنس کے اختتام پر مندرجہ ذیل سفارشات کی منظوری دی گئی۔

سفارشات:

اس کانفرنس کے شرکاء مطالبہ کرتے ہیں:

مزدور برادری کے لئے

☆ ٹیکسٹائل کے شعبے میں ایک صنعتی اتحاد قائم کیا جائے جو پوری ٹیکسٹائل انڈسٹری کا احاطہ کرتا ہو۔

☆ ملک بھر کے کم از کم 10 لاکھ محنت کشوں کو ٹیکسٹائل یونین کا رکن بننے کے لئے متحرک کیا جائے۔

☆ ان میں سے پانچ ہزار کو پیداواری احاطے میں کام کرنے کی تربیت دی جائے۔

☆ ٹریڈ یونین فیڈریشنز کو مضبوطی کے لئے یکجا ہو جانا چاہئے۔

☆ تمام ٹریڈ یونینز اور فیڈریشنز سے درخواست کی جاتی ہے کہ وہ یونین/ انجمنیں قائم کرنے میں زراعت سے وابستہ مزدوروں کی مدد کریں۔

لوگوں کے لئے

☆ لوگوں کو اس بات کا ادراک کرنا چاہئے کہ غیر محفوظ طبقات اور گروہوں اپنے حقوق کے لئے کی جانے والی جدوجہد کی حمایت کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ مزدوروں کی اپنے جائز مفادات کے تحفظ کی جدوجہد کے حوالے سے عوام میں پائی جانے والی سرد مہری نہ صرف زرعی اور صنعتی شعبوں کے مزدوروں کے لئے نقصان دہ ہے بلکہ اس سے سماجی، معاشی اور صنعتی میدانوں میں بھی لوگوں کی ترقی کا راستہ روکتی ہے۔ ہم تمام سول سوسائٹی سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مزدوروں اور عوام کے مابین یکجہتی کو فروغ دیں۔

☆ ہم پاکستان کے عوام سے یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ وہ ان تحاریک کی حمایت کریں جو معاشرے کو جاگیرداری، ذات پات پر مبنی نظام، مذہبی جہل پسندی کی لعنت سے چھٹکارا دلانے کے لئے کوشاں ہیں کیونکہ اس کے بغیر پاکستان اپنی جمہوری اور منصفانہ اقدار کو آزاد کرانے کے قابل نہیں ہو سکے گا۔

ریاست / حکومت کے لئے

☆ ہم حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ سہ فریقی مزدور کانفرنسوں کا باقاعدگی سے انعقاد کرے۔

☆ حکومت کو لیبر پالیسی کی تیاری کا کام پھر سے شروع کرنا چاہئے، اور تمام صوبوں کو یکساں قوانین اور پالیسیوں پر عمل درآمد کرنا چاہئے۔

☆ پارلیمنٹ کو لیبر پالیسیوں اور قوانین پر بحث کے لئے مناسب وقت دیا جانا چاہئے۔

☆ تمام صوبوں میں یکساں لیبر قوانین ہونے چاہئیں۔

☆ تمام صوبوں کو مشترکہ مفادات کی کونسل (سی سی آئی) کے پلیٹ فارم پر تمام صوبوں کے مرد اور خواتین مزدوروں کے مساوی حقوق کے لئے یکساں لیبر قوانین اور پالیسیاں بنانی چاہئیں۔

☆ شہریوں کی برابری اور سماجی انصاف کے فروغ کو ترجیح دیتے ہوئے زرعی اصلاحات کی جائیں۔

☆ پاکستان میں عالمگیر سوشل سکیورٹی سکیم شروع کی جائے۔ تمام ملازمین کو خاص طور پر بے روزگاری کی صورت میں سوشل سکیورٹی کی سہولیات فراہم کی جانی چاہئیں۔

☆ غیر ہنرمند مزدوروں کے لئے کم سے کم اجرت ایک متوسط خاندان کے لئے معقول طرز زندگی کی ضمانت دینے کے لئے ناکافی ہے۔ کم سے کم اجرت کے نفاذ کا طریقہ کار مرتب کیا جانا چاہئے؛ کم سے کم اجرت کی عدم ادائیگی کو جرم قرار دیا جانا چاہئے۔

☆ ٹریڈ یونین اور لیبر سے متعلق قوانین کو آسان بنایا جائے اور انہیں یکجا کیا جائے۔

☆ گروی مشقت سے متعلق قوانین کا نفاذ کیا جانا چاہئے۔ صوبوں کو ترقی پسندانہ بنیادوں پر گروی مشقت سے متعلق پالیسی کی منظوری دینی چاہئے۔

☆ تمام شعبوں میں چائلڈ لیبر کے خاتمے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔

☆ پاکستان کے آئین کا آرٹیکل 3 ہر قسم کے استحصال کے خاتمے کو یقینی بناتا ہے۔ تمام حکومتی حلقوں کو اس آرٹیکل کے نفاذ کے لئے حکمت عملی تشکیل دینی چاہئے۔

☆ یہ کانفرنس نجکاری کی پالیسی کو مسترد کرتی ہے کیونکہ اس کے جو فوائد بتائے گئے تھے ان میں سے کوئی بھی فائدہ حاصل نہیں ہوا، بلکہ اس سے بے روزگاری بڑھ گئی ہے، اس نے ٹیکس کی وصولی کو بری طرح متاثر کیا ہے اور یہ کارکردگی میں کمی کا باعث بنتی ہے۔

☆ یہ کانفرنس خاص طور پر مطالبہ کرتی ہے کہ بجلی پیدا کرنے والی اور تقسیم کرنے والی کمپنیوں، پی آئی اے اور اسٹیل مل کی نج کاری کا منصوبہ ترک کیا جائے کیونکہ ان کی نجکاری ملک کی ایک مضبوط اور موثر سرکاری شعبے کی ضرورت کے خلاف ہے۔

☆ کانفرنس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ خاص طور پر کام کی پرخطر جگہوں پر ملازمین کی زندگی کے تحفظ کو یقینی بنائے اور متاثرہ ملازمین کو مناسب معاوضہ دیا جائے۔

☆ ملازمت کی معیاد کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے اور تمام

اسلم اظہر کی وفات بہت بڑا صدمہ ہے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے اسلم اظہر کی وفات پر گہرے دکھ اور الم کا اظہار کیا ہے اور ان کی وفات کو ملک کے لیے بہت بڑا نقصان قرار دیا ہے۔

ایک تعزیتی بیان میں ایچ آر سی پی نے کہا، " پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) اسلم اظہر کی وفات پر قوم کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔ انہوں نے دیگر کارہائے نمایاں کے علاوہ پاکستان ٹیلی ویژن (پی ٹی وی) کی سربراہی کا اعزاز بھی حاصل کیا تھا۔ ان کی وفات درحقیقت ایک ثقافتی دور، خداداد صلاحیتوں کے حامل انسان، کثیرالجہتی شخصیت اور نشاط ثانیہ کے دور کے شخص کا وصال ہے۔ اان میں قابلیت کا کھوج لگانے اور اسے پروان چڑھانے کی کمال مہارت تھی جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے اور جس فرد سے بھی ان کا واسطہ پڑا اسے بغیر پرکھے چیزوں کو قبول نہ کرنے کی ترغیب دی۔ اسلم اظہر نہ صرف پاکستان میں ڈیجیٹل اور ریکارڈنگ دور سے قبل براہ راست نشریات کو متعارف کروانے، پالیسی سازی، مینجمنٹ اور انتظام و انصرام جیسے امور کے پیچھے رہنما اور متحرک قوت تھے بلکہ انہوں نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد بھی فن کی تمام پیشہ ورانہ اقسام میں نوجوان نسل کی رہنمائی کا سلسلہ جاری رکھا۔

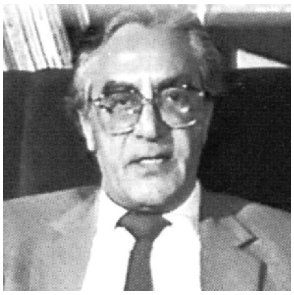

کلاسیکی ادب، نثر اور نظم دونوں کے ساتھ محبت کے حوالے سے وہ دور حاضر کے انقلابی شعراء اور ادیبوں سے آگے تھے۔ مگر ٹی وی اور ریڈیو تھیٹر کے لیے ان کی عمیق اور رسیلی آواز تھی جس نے سامعین کے دلوں میں گھر کیا تھا۔

ٹیلی ویژن کے ظہور سے قبل ان کی اداکاری کے جوہر اور ان کی ریڈیو براڈکاسٹنگ نے انہیں کراچی آرٹس تھیٹر سوسائٹی اور دستک کی سب سے اہم شخصیت بنا دیا۔ انہوں نے جنرل ضیاءالحق کے دور میں انتہائی بے باک ڈرامے پیش کیے تھے۔

خاندان کی حیثیت سے انہوں نے اپنی شریک حیات نسرین کے ساتھ مل کر اپنی بیٹی عمیمہ اور بیٹوں اسامہ اور اریب کو اپنے ترقی پسندانہ دنیاوی نقطہ نظر اور مساوات اور تکثیریت پسند اقدار سے متعارف کروایا۔

اسلم اظہر نے جنرل ضیاءالحق کی آمریت کے دور میں اپنے وقار اور اصولوں خاص طور پر اظہار رائے کی آزادی، تقریر کی آزادی اور سنسر شپ سے آزادی جیسے اصولوں پر سمجھوتہ نہ کرنے کی قیمت چکائی تھی۔ دیانتداری کے اس مقام پر بہت کم لوگ پہنچتے ہیں۔

اسلم اظہر کی روح کو امن و آشتی نصیب ہو!

ملازمین کو اپوائنٹمنٹ لیٹر دیے جائیں۔

☆ صنعتوں کے معائنے اور نگرانی کو یقینی بنایا جائے۔ لاہور کی سندر انڈسٹریل اسٹیٹ میں ہونے والے حادثے میں درجنوں مزدور اپنی زندگیوں سے محروم ہوگئے۔

خواتین کے حقوق

☆ خواتین و مرد دونوں کو مساوی اجرت کی فراہمی کے لئے موثر اقدامات کیے جائیں۔ خواتین کو ان کی محنت کا مناسب معاوضہ دیا جائے۔

☆ خواتین کو خاندان کی جائیداد میں سے حصہ دیا جائے اور ان کے زمین کی ملکیت اور اپنی محنت کے معاوضے کو استعمال کرنے کے حق کا مناسب طور پر تحفظ کیا جائے۔

پائلر کا معاملہ

☆ یہ کانفرنس پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیبر ایجوکیشن اینڈ ریسرچ (پائلر) کو بدنام کرنے کی مہم کی پرزور مذمت کرتی ہے۔ یہ لوگوں کے آزادی رائے اور انجمن سازی کے حق پر ایک بہت بڑا حملہ ہے۔ ایسی تمام کوششیں فوری طور پر ترک کی جائیں اور سرکاری ایجنسیوں کی دخل اندازی کو روکا جائے اور تما ذمہ دار اہلکاروں کے خلاف کاروائی کی جائے۔

☆ ہم سول سوسائٹی کی تمام تنظیموں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اتحاد قائم کریں اور مشترکہ مفادات کے لئے یکجہتی کا مظاہرہ کریں۔

[پریس ریلیز۔لاہور۔05 دسمبر 2015]

خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے صرف کوٹے ہی کافی نہیں ہیں

خواتین کے لئے ملازمتوں کا کوٹہ اور مجلس قانون ساز میں مخصوص نشستیں اگرچہ ایک مثبت اقدام ہے تاہم کوٹہ کے نظام کے موثر اور مکمل نفاذ اور خواتین کے لئے زمین کے حقوق کو یقینی بنائے بغیر انہیں بااختیار بنانا ناممکن ہے۔

ان خیالات کا اظہار شرکاء نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی جانب سے ”خواتین کی معاشی آزادی: کوٹہ اور زمین کے حقوق“ کے عنوان سے جمعہ کو منعقد ہونے والی مشاورت میں کیا۔ اس مشاورت میں سابق اراکین پارلیمنٹ، وکلاء، سول سوسائٹی کے نمائندوں اور دیگر افراد نے شرکت کی۔

شرکاء کی جانب سے پیش کی گئیں اہم تجاویز اور تحفظات درج ذیل ہیں:

☆ خواتین کے لئے ملازمتوں کا کوٹہ اور مخصوص نشستیں خواتین کی خودمختاری کے حصول کا ذریعہ ہیں تاہم اس مقصد کے حصول میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنا ضروری ہے۔

☆ سیاسی جماعتیں عام نشستوں پر انتخاب لڑنے والی خواتین کی حمایت نہیں کرتیں۔ وہ خواتین پارٹی کارکنوں کو سیاسی تربیت فراہم کرنے میں بھی ناکام رہی ہیں۔ سول سوسائٹی کو انہیں یہ تربیت فراہم کرنے کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں تاکہ خواتین کارکنان انتخابات میں بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرسکیں۔

☆ گزشتہ عام انتخابات سے پہلے سیاسی جماعتوں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ خواتین کو قومی اسمبلی کی ایسی نشستوں پر ٹکٹیں دیں جہاں کامیابی کا امکان زیادہ ہو۔ تقریبا تمام سیاسی جماعتوں نے اس تجویز کی مخالفت کی۔

☆ اعلیٰ عہدوں پر خواتین کی موجودگی ضروری ہے تاکہ سرکاری ملازمتوں کے علاوہ سیاسی اور نمائندگی کے حلقوں میں موجود رکاوٹوں کو عبور کیا جاسکے۔

☆ جانچ کا ایسا منظّم طریقہ کار موجود نہیں جس سے اس بات کا اندازہ لگایا جاسکے کہ کوٹہ کا نظام کیسے کام کررہا ہے۔

☆ سول سوسائٹی کی تنظیموں کو چاہئے کہ وہ قابل عمل نکات کے حوالے سے پارلیمنٹ کے ساتھ باقاعدگی سے رابطہ رکھیں تاکہ موثر اقدامات کے نفاذ اور نگرانی کو یقینی بنایا جاسکے۔ پارلیمنٹ کے ساتھ فالو اپ بھی بہت ضروری ہے۔

☆ اب تمام پارلیمانی کمیٹیاں پٹیشن وصول کررہی ہیں۔ سول سوسائٹی کی تنظیموں کو چاہئے کہ وہ طریق کار کے استعمال کو بہتر بنائیں تاکہ موثر اقدامات کے ذریعے خواتین کی خودمختاری کو یقینی بنایا جاسکے۔

☆ معاشرے میں خواتین کے مقام سے متعلق قومی اور صوبائی کمیشنوں کو جانچ اور نگرانی کے حوالے سے ایک اہم کردار ادا کرنا ہوگا۔

☆ خواتین کے زمین کے حقوق کا زرعی اصلاحات کے وسیع تر تناظر میں جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ زمین اب بھی پاکستان میں عزت کی علامت سمجھی جاتی ہے، اور انہیں زمین کی ملکیت سے محروم کرنے اور پنچائتوں اور جرگوں میں ان کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان کی محرومی میں اضافہ ہوا ہے۔

☆ اراضی کے لئے مختلف سطح پر ہونے والی مزاحمتوں اور لڑائی جھگڑوں کا مطلب یہ ہے کہ خواتین کے استحقاق کو ہمیشہ نظرانداز کیا گیا۔

☆ ہاریوں کے لئے مختص زمین خاندان کے مردسرپرست کی بجائے میاں بیوی اور ان خاندانوں کی دی جائے جن کی سرپرست عورت ہو۔

☆ ایسی مستحق خواتین جو مقامی کاشت کاری کا علم رکھتی ہیں انہیں زمین تک رسائی حاصل نہیں جبکہ وہ خواتین جو زمین کی مالک ہیں وہ ایسا کوئی تجربہ نہیں رکھتیں۔

☆ شادی کو زمین کے معاملات طے کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور خاندانی زمین کو اپنی ملکیت میں رکھنے کے لئے اکثر لڑکیوں کی شادی نہیں کی جاتی۔

☆ اگرچہ رسمی نظام انصاف خواتین کی زمین تک رسائی کی اجازت دیتا ہے تاہم سماجی روایات پر مبنی نظام اس کی مخالفت کرتا ہے۔ ریاست سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس حوالے سے ایک تماشائی سے بڑھ کر کردار ادا کرے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 14 دسمبر 2015]

پھانسی کو ملتوی کیا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) نے صدر سے سید ساقی کی پھانسی کو ملتوی کرنے کا مطالبہ کیا ہے جسے مقررہ وقت کے مطابق کل (16 دسمبر) کو پھانسی دے دی جائے گی۔ آج جاری ہونے والے ایک بیان میں کمیشن نے کہا:

''قتل کے ایک مجرم کا اب تک کا ایک اور کیس سامنے آیا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جرم کے وقت وہ نابالغ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سید ساقی شاہ جسے 1992ء میں جھنگ میں ایک فرقہ وارانہ تصادم کے مقدمے میں موت کی سزا سنائی گئی تھی، اس کی عمر جرم کے مبینہ ارتکاب کے وقت 16 برس تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اسکول سرٹیفیکیٹ کے ذریعے اس کی عمر کی تصدیق ہوچکی ہے۔ چونکہ اس دعوے کی تصدیق کرنا ضروری ہے اس لئے عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ صدر سید ساقی شاہ کی پھانسی کو اس وقت تک ملتوی کردیں جب تک جرم کے ارتکاب کے وقت اس کی عمر اور مقدمے کی سماعت کی صحت کے حوالے سے کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 15 دسمبر 2015]

ذرائع ابلاغ سے وابستہ افراد کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آرسی پی) نے 29 دسمبر کو ''ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کے تحفظ کو بہتر بنایا جائے'' کے موضوع پر ایک مشاورتی تقریب منعقد کی جس میں سیاستدانوں، ذرائع ابلاغ کے افراد اور سول سوسائٹی کے کارکنوں سے شرکت کی۔ جن کا کہنا تھا کہ صحافیوں کی ٹارگٹ کلنگ اس وقت تک نہیں رک سکتی جب تک سیکیورٹی ایجنسیوں کو پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ نہیں بنایا جاتا۔ 2000ء سے لے کر اب تک تقریباً 118 صحافی مارے جاچکے ہیں۔ سابقہ سینیٹر افراسیاب خٹک نے کہا کہ معاشرے میں عسکریت پسندی کے پھیلاؤ کی وجہ سے اب میڈیا مالکان اور اینکر پرسن بھی جنگی سرداروں کی طرح بات کرتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا، ''سینیٹ کی انسانی حقوق کی کمیٹی میں عمر چیمہ سے متعلق ایک رپورٹ ان کی نظر سے گزری جس میں ان پر تشدد میں سیکیورٹی ایجنسیوں کے ملوث ہونے کے شواہد موجود تھے۔ سینئر صحافی مسٹر ضیاء الدین کا کہنا تھا ان کے خیال میں حکومت صحافیوں کے تحفظ کے لئے کوئی اقدام نہیں کرے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ صحافیوں کے تحفظ کو یقینی بنانے کی ذمہ داری میڈیا مالکان پر بھی عائد ہوتی ہے۔ میڈیا چینلز کو لائسنس جاری کرتے وقت حفاظتی انتظامات کو یقینی بنانے کے حوالے سے بعض شرائط لاگو ہونی چاہئیں۔ ان کا کہنا تھا کہ فیڈرل یونین آف جرنلسٹس گروہ بندی کا شکار ہے اور میڈیا چینلز بھی متحد نہیں ہیں۔ انہون نے مزید کہا کہ میڈیا ہاؤسز میں مسابقت اچھی چیز ہے مگر اسے دشمنی میں تبدیل نہیں ہونا چاہئے۔ معروف صحافی حامد میر نے کہا کہ بڑے میڈیا ہاؤسز تک کو احکامات صادر ہوتے ہیں اور ان کا 70 سے 80 فیصد مواد سمجھوتے پر مبنی ہوتا ہے۔ دباؤ قبول نہ کرنے کی وجہ سے بعض صحافیوں نے ملازمت چھوڑ دی ہے۔ وفاق کے زیرانتظام قبائلی علاقہ جات (فاٹا) سے تقریباً 11 صحافی اسلام آباد منتقل ہوگئے ہیں مگر کسی نے ان کے مسئلے پر توجہ نہیں دی۔ عمر چیمہ پر انکوائری رپورٹ شائع نہیں ہوسکی جبکہ دوسری طرف حکومت اور اسٹیبلشمنٹ دونوں میڈیا کو زیر تسلط رکھنا چاہتے ہیں۔ مسٹر میر نے مزید کہا کہ سیکیورٹی ایجنسیوں کو پارلیمان کے سامنے جوابدہ بنانے کے لئے قانون سازی ہونی چاہئے۔

انسانی حقوق کی کارکن فاطمہ عاطف نے کہا کہ ٹاک شوز میں حقیقی لوگوں کو نہیں بلایا جاتا اور پروگرام بعض خاص ایجنڈے کے تحت منعقد کیے جاتے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ بعض صحافی شہرت کے لیے بھی خطرات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ پی ایف یو جے کے صدر افضل بٹ نے کہا کہ میڈیا ہاؤسز کو دھمکیاں ملنے کے وقت سول سوسائٹی نے ان کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا تھا مگر جب صحافی میڈیا ہاؤسز سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو اس وقت سول سوسائٹی ان کے ساتھ اظہار یک جہتی نہیں کرتی۔ زیادہ تر میڈیا ہاؤسز میں بنیادی انسانی حقوق کو یقینی نہیں بنایا جاتا۔ ایک خاتون صحافی کو محض اس وجہ سے ملازمت سے فارغ کردیا گیا کہ اس نے زچگی کے وقت چھٹی کی درخواست کی تھی۔

ایچ آرسی پی کے جوائنٹ ڈائریکٹر نجم الدین نے کہا کہ صحافیوں اور میڈیا مالکان کے تحفظات مختلف ہیں۔ ظفراللہ خان کا کہنا تھا کہ قوانین بن جاتے ہیں مگر ان پر عمل درآمد نہیں کیا جاتا۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان الیکٹرانک میڈیا اتھارٹی (پیمرا) کے لئے مختص کیے جانے والے فنڈز صحافیوں کی فلاح و بہبود پر خرچ ہونے چاہئیں۔ میڈیا ہاؤسز کی مانیٹرنگ بھی ہونی چاہئے کیونکہ ان کے اخراجات اور ادا شدہ ٹیکسوں میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ انہوں نے میڈیا ہاؤسز اور کے اخراجات اور ادا شدہ ٹیکسوں کے بارے میں ایک رپورٹ مرتب کی تھی مگر کسی نے اسے شائع نہیں کیا۔ بی او ایل سے متعلقہ رپورٹ کے بعض حصوں کو شائع کیا گیا تھا۔ مسٹر ظفراللہ خان نے ڈان کو بتایا کہ میڈیا سے وابستہ افراد کے تحفظ سے متعلق رپورٹ پانچ برس کے عرصہ پر محیط ہے۔ اس مشاورت کی سفارسات کو رپورٹ میں شامل کیا جائے گا اور اسے اراکین پارلیمان میں تقسیم کیا جائے گا۔

بعض سفارسات میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ایسی تنظیموں کے ساتھ تعاون کرے جو صحافیوں کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ مزید کہا گیا کہ قومی کمیشن برائے انسانی حقوق کو صحافیوں کے تحفظ کے لئے سرگرم کردار ادا کرنا چاہئے۔ حامد میر پر حملے کی تحقیقات کرنے والے عدالتی کمیشن کو اپنی رپورٹ شائع کرنی چاہئے۔ سپریم کورٹ سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ مختلف عدالتی کمیشنوں کی سفارشات پر عمل درآمد کو یقینی بنائے۔ سیاسی جماعتوں کو چاہئے کہ وہ اپنے کارکنوں اور سرکروں کی تربیت کریں تا کہ وہ آزاد و خودمختار میڈیا کے کردار اور اہمیت کا احترام کریں۔ یہ بھی کہا گیا کہ پیمرا لائسنس کے اجراء اور تجدید کی بہت زیادہ فیس وصول کرتا ہے۔ مزید برں، ٹیلی ویژن چینلز اور ایف ایم ریڈیوز سے اشتہارات کی آمدنی کا 5 سے ب 7 فیصد تک کرتا ہے۔ یہ مطالبہ کیا گیا کہ پیمرا کو ایک ادارہ قائم کرنا چاہئے۔ اسے میڈیا ذرائع ابلاغ کے ماہرین کو سکیورٹی معاملات اور سکیورٹی اداروں کے بارے میں تربیت دینی چاہئے اور صحافیوں کے تحفظ کے فنڈ کے حوالے سے مالیاتی معاونت کرنی چاہئے۔

[پریس ریلیز۔ لاہور۔ 30 دسمبر 2015]

لوگوں کو قصوروار مت ٹھہرائیں

آئی۔اے۔رحمٰن

پاکستان کی سیاسی جماعتیں انتخابات کی زبوں حالی کا ذمہ دار عمومی طور پر دولت مندوں کے درمیان ہونے والی زور آزمائی کو قرار دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ پیسے والے لوگ بادشاہوں جیسی شخصیت کے مالک افراد یا حکمران خاندانوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ہی سیاسی قیادت کا حقدار سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی سیاسی ناپختگی کا اظہار ہی ہوسکتا ہے۔ یہ تصور، پاکستان کی سیاست کا بہت بڑا المیہ ہے۔ اور اگر ہمیں جمہوری اقدار کو مستحکم کرنے کی طرف بڑھنا ہے تو پھر ہمیں اس روایت سے تیزی کے ساتھ خود کو الگ کرنا ہوگا۔

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ہمارے ہاں انتخابات بتدریج پیسے کا کھیل بن کر رہ گیا ہے۔ قومی اسمبلی یا سینٹ کی نشست کی قیمت لاکھوں سے کئی کروڑ روپوں تک پہنچ گئی ہے جبکہ صوبائی اسمبلی کی نشست کی قیمت نسبتاً کم ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق لاہور کی ایک یونین کونسل کے حالیہ منتخب چیئرمین نے ڈھائی کروڑ روپے کی رقم خرچ کر کے کامیابی حاصل کی۔ ہوسکتا ہے کہ اس میں مبالغہ آرائی کا عنصر شامل ہو لیکن اس میں تو بہرحال کوئی شک نہیں کہ بلدیاتی سطح کے انتخابات تک کے اخراجات میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے۔

اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ جو لوگ اپنی نشستیں بھاری قیمت پر خریدتے ہیں، انہیں اپنے ووٹروں کے لئے نہ تو وقت میسر ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے ووٹروں کے مفادات کا تحفظ کرنے میں کسی قسم کی رغبت رکھتے ہیں۔ ان کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ اپنی حیثیت کو استعمال کر کے اپنی ذات کے لیے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ انہیں صرف ایک کام میں بے پناہ مہارت حاصل ہوتی ہے اور وہ ہے ’’صحیح‘‘ وقت پر پارٹی تبدیل کرنا۔ پارٹی قیادت کی پالیسیوں سے عدم اتفاق کرنا ان کے نزدیک نقصان دہ عمل ہوتا ہے اور یہی وہ کام ہے جسے وہ سختی کے ساتھ مسترد کر دیتے ہیں۔ مزید برآں وہ انتظامیہ کے نشانہ بازوں کے لیے اس مرغابی کی طرح ہیں جس کے پروں میں اس قسم کے لوگ خود کو چھپائے رکھتے ہیں۔

اس طرح کا انتظام وانصرام ان قوتوں کے لئے بے حد مناسب ہوتا ہے جو موجود صورتحال کو قائم رکھنا چاہتی ہیں۔ یہ وہ قوتیں ہوتی ہیں جو محروم طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے اقتدار میں آنے سے خوفزدہ رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انتخابی اخراجات مقررہ حد سے کہیں زیادہ بڑھ جانے کی صورت میں قانونی کارروائی کرنے کے فیصلے محض بے معنی تبلیغی وعظ بن کر رہ جاتے ہیں اور ایسے لوگوں کے خلاف قانون حرکت میں نہیں آتا۔ اس کا نقصان تو عوام ہی کو برداشت کرنا پڑتا ہے چاہے انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو۔

اسی طرح ملک کی زیادہ تر سیاسی جماعتوں کی سربراہی مقتدر شخصیات یا پھر سیاسی حکمران خاندانوں کے افراد کے پاس ہی ہوتی ہے۔ پاکستانی سیاست کے اس پہلو کے نقصان دہ اثرات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں۔ ایسی سیاسی جماعت جس کی سربراہی کوئی خود پسند سیاستدان تمام تر اختیارات کے ساتھ کر رہا ہو، اس کے اندر جمہوریت یا مشترکہ فیصلہ سازی کے نظام کو برداشت نہیں کیا جاتا۔ وہ لوگ جنہیں قیادت کی چادر وراثت میں ملتی ہے یا یہ حیثیت اپنے پیروکاروں کی شخصیت پرستی جیسی کمزوری سے حاصل ہوتی ہے، بڑ کے ان درختوں کی طرح ہوتے ہیں جن کے سائے میں نہ تو کوئی متبادل اور نہ ہی درمیانی سطح کی قیادت کی افزائش ممکن ہوتی ہے۔

ایسی سیاسی جماعت جس کی قیادت ایسا شخص کر رہا ہو جس سے لوگ عقیدت رکھتے ہوں، ہمیشہ شدید خطرات میں گھری رہتی ہے۔ اگر اس کے سربراہ کو ہٹا دیا جائے تو اس پارٹی کا دھڑ ایک بے جان ڈھیر بن کر رہ جائے گا۔ اگلے روز ایک سیاسی رہنما نے اس حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ہوسکتا ہے کہ پارٹی باقی رہے لیکن وہ پہلے جیسی پارٹی نہیں ہوگی۔ سیاسی جماعتوں کی ایسی بے دست وپائی بھی جمہوری

اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ جو لوگ اپنی نشستیں بھاری قیمت پر خریدتے ہیں، انہیں اپنے ووٹروں کے لئے نہ تو وقت میسر ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے ووٹروں کے مفادات کا تحفظ کرنے میں کسی قسم کی رغبت رکھتے ہیں۔ ان کا صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ اپنی حیثیت کو استعمال کر کے اپنی ذات کے لیے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ انہیں صرف ایک کام میں بے پناہ مہارت حاصل ہوتی ہے اور وہ ہے ’’صحیح‘‘ وقت پر پارٹی تبدیل کرنا۔

نظام کے عدم استحکام کی ایک وجہ ہے۔ سیاسی جماعت کی قیادت خاندان ہی میں رہے تو پھر یہ قیادت جمہوری طرز پر استوار کئے گئے جماعتی ڈھانچے میں شامل افراد کی بجائے اپنے منظور نظر افراد پر مشتمل تنظیم کو ترجیح دیتی ہے۔ اگر ایسی جماعت اقتدار میں آتی ہے تو سرکاری عہدے اپنے عزیزوں، اپنے وفاداروں، خوشامدیوں اور چاپلوسوں میں تقسیم کر دیئے جاتے ہیں۔ جب یہ لوگ حزب اختلاف میں ہوتے ہیں تو ان کی جماعتیں اپنی پارٹی کے ارکان کو مختلف شعبوں میں مہارت حاصل اس لئے نہیں کرنے دیتے کہ بعد میں وہ اپنے اپنے شعبوں سے متعلق وزارتوں کے دعویدار نہ بن بیٹھیں۔

یہ بات سمجھ جانے کے بعد کہ بڑھتے ہوئے انتخابی اخراجات اور پارٹیوں کے ڈھانچے کا غیر جمہوری ہونا درحقیقت جمہوریت اور عوامی مفاد کی نفی ہے، ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ ان حالات کا ذمہ دار کون ہے، سیاسی جماعتیں یا عوام؟

یہ تفتیش یا تحقیقات ہمیں ان دنوں کی یاد دلاتی ہے جب بڑی طاقتوں نے نہ صرف یہ کہ نو آبادیاتی استحصال کے دور کے خاتمے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو آزادی دینے کا اعلان کیا تھا بلکہ لوگوں کو یہ حق بھی دیا کہ وہ جمہوری طرز حکومت قائم کریں۔ نو آبادیاتی نظام کو بھلے نئے نو آبادیاتی نظام سے تبدیل کیا گیا لیکن یہ سب کچھ سابقہ نو آبادیوں پر نو آبادیاتی قوت کو دوام دینے کے لیے کیا گیا اور وہ بھی اس قیمت پر کہ ان بڑی طاقتوں کو اپنی سابقہ نو آبادیوں کی فوج اور نو آبادیاتی انتظامیہ پر اٹھنے والے اخراجات ادا نہ کرنا پڑیں۔ بہرحال اس وقت اس نتیجے پر بحث ہمارا موضوع نہیں ہے۔

مابعد نو آبادیاتی نظام کے بانیوں کو شاید یقین تھا کہ نو آبادیاتی محکومی سے آزاد ہونے والے تمام ملک اپنے ہاں جمہوریت کی طرف منتقلی کو سہل بنانے کے لیے مثبت اقدامات کریں گے۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو یہاں پر ریاست جمہوریت کے قیام کی راہ میں حائل نمایاں رکاوٹوں کو دور کرنے میں تواتر کے ساتھ ناکام رہی ہے۔ پاکستان کی ابتدائی حکومتوں (1497ء تا 1954ء) نے بالغ رائے دہی کا اصول اپنایا اور خواتین کو مردوں کے برابر ووٹ کا حق دیا لیکن مشرقی بنگال کو ایک فرد ایک ووٹ کے حق سے محروم کرنے کی غلطی کی۔ مذہب کو ریاست کا بنیادی اصول قرار دے کر غیر مسلم پاکستانیوں کو مسلمانوں کے ساتھ برابری کے حق سے محروم کر دیا گیا۔ یہ صورتحال اس وقت مزید خراب ہوگئی جب پارلیمنٹ نے مذہبی اقلیتوں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔

بدترین بات یہ تھی کہ ریاست نے سختی کے ساتھ زراعت کے شعبہ میں جاگیردارانہ طور طریقوں کو قائم ودائم رکھا۔ اس کے علاوہ وفاقی اکائیوں پر مرکز کی گرفت اور ناقابل برداشت پدرسری نظام میں عورت کی غلامی کی روایت پر سختی سے عمل کر کے جاگیردارانہ نظام کو اور زیادہ مضبوط کیا۔ تاحال آخری ضرب کاری جنرل ضیاء نے لگائی۔ جنرل ضیاء نے ریاست کو ایسے راستے پر ڈال دیا جو ریاست کو جمہوری راستے سے دور سے بھی کہیں زیادہ دور لے گیا۔ اس وقت جمہوری اداروں کو ایک نام نہاد قسم کی مذہبی جمہوری عسکریت پسندی سے شدید خطرہ ہے۔ کیا یہ سب کچھ عوام نے کیا یا اقتدار کے محافظوں نے، قطع نظر اس کے کہ انہوں نے جمہوری لباس زیب تن کر رکھا تھا یا جابرانہ، کیا انہوں نے اپنی مرضی سے لباس کا انتخاب کیا تھا؟ بہرحال یہ سیاسی جماعتیں ہی ہیں جنہوں نے عام شہریوں کو انتخابی راستہ مہیا کرنے سے انکار کیا اور جو خود کو جمہوریت سے آشنا نہ کرسکیں۔

جہاں تک عوام کا تعلق ہے تو وہ اپنے جمہوری تصورات کے ساتھ اپنے حکمرانوں اور سیاسی وڈیروں سے کہیں زیادہ مخلص اور وفادار ہوتے ہیں۔ انہوں نے ایوب خان کی حکومت کو گرایا، ضیاء الحق کو انتخابات کرانے پر مجبور کیا اور بعد میں انہیں جماعتی بنیاد پر نظام چلانے کی کڑوی گولی نگلنا پڑی۔ باقاعدہ انتخابات کا انعقاد، آئین میں آرٹیکل 3 کیشمولیت، جنرل مشرف کی اپنے عہدے سے علیحدگی اور اٹھارہویں ترمیم ریاست پر عوام اور سیاستدانوں کے دباؤ ہی کا نتیجہ ہے۔ یقینی طور پر بعض سیاسی جماعتوں نے ان کی مدد کی لیکن عوام ہی ان کامیابیوں کی بنیادی قوت تھے۔

پاکستان میں جمہوریت کا جو تجربہ کیا گیا ہے آج وہ سخت آزمائش کا شکار ہے لیکن کسی کو بھی یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ پاکستان صرف اور صرف صحیح جمہوری ریاست کے طور پر ہی قائم رہ سکتا ہے اور عوام آخر کار اپنا مقصد حاصل کرلیں گے۔ بس سوال صرف یہ ہے کہ کیا سیاسی جماعتیں عوام کی قیادت کریں گی یا وہ عوام کی قیادت میں چلیں گی۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

انسانی حقوق کی تنظیم کی چیئرپرسن کا گھر جلا دیا گیا

کوئٹہ 13 دسمبر 2015 کو بلوچستان سے تعلق رکھنے والی تنظیم بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کی چیئرپرسن بی بی گل بلوچ نے الزام عائد کیا ہے کہ ایک سرچ آپریشن کے دوران ان کے گھر کو جلایا گیا ہے تاہم صوبائی حکام نے اس واقعے کی تردید کی ہے۔ بی بی گل بلوچ نے بی بی سی کو فون پر بتایا کہ سکیورٹی فورسز نے گذشتہ روز ضلع کیچ کے علاقے گومازی میں مبینہ طور پر آپریشن کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ آپریشن کے دوران متعدد گھروں کو نذرآتش کیا گیا جن میں ان کے گھر کے علاوہ بلوچ نیشنل موومنٹ کے وائس چیئرمین غلام نبی بلوچ کے گھر بھی شامل ہیں۔ اس سے قبل بھی سخت گیر موقف کے حامل قوم پرستوں کی جانب سے سرچ آپریشنوں کے دوران گھروں کو جلانے کے الزامات عائد کیے جاتے رہے ہیں۔ بلوچستان کے وزیر داخلہ میر سرفراز بگٹی نے گھروں کو جلانے کا الزام سختی سے مسترد کیا۔ بی بی سی سے بات چیت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ شدت پسند تنظیموں کی جانب سے ایسے الزامات سکیورٹی فورسز کو بدنام کرنے کے لیے لگائے جا رہے ہیں۔ بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کی چیئرپرسن نے یہ بھی الزام لگایا کہ گومازی میں سرچ آپریشن کے دوران متعدد افراد کو لاپتہ بھی کیا گیا۔ گومازی میں سرچ آپریشن کے حوالے سے کوئٹہ میں ایف سی کی جانب سے ایک بیان بھی جاری کیا گیا تھا۔ اس بیان میں کہا گیا ہے کہ سکیورٹی کے پیش نظر گومازی میں جو سرچ آپریشن کیا گیا اس کے دوران تین غیر ملکیوں سمیت 13 مشتبہ افراد کو گرفتار کیا گیا۔ بیان کے مطابق دھماکہ خیز مواد اور اسلحہ برآمد کرنے کے علاوہ ریاست مخالف لٹریچر بھی برآمد کیا گیا۔ فرنٹیئر کور نے ضلع زیارت کے علاقے اغبرگ میں بھی سرچ آپریشن کیا ہے۔ ایف سی کے ترجمان کے مطابق اس آپریشن کے دوران پانچ شدت پسندوں کو گرفتار کرنے کے علاوہ ان سے اسلحہ برآمد کیا گیا۔ ترجمان کا کہنا تھا کہ گرفتار کیے جانے والے شدت پسندوں کا تعلق تحریک طالبان پاکستان سے ہے۔

(بی بی سی اردو)

افراد کی تشدد زدہ لاشیں برآمد

کیچ ذرائع کا کہنا تھا کہ تینوں چرواہے پگ کے پہاڑی علاقے رائیو میں بھیڑ بکریاں چرانے گئے تھے۔ بدھ کی رات ان کی بھیڑ بکریاں واپس آگئیں لیکن چرواہے اپنے گھروں کو نہیں لوٹے۔ ان کے رشتہ داران کی تلاش کے لیے نکلے جس کے دوران 3 دسمبر کو تینوں چرواہوں کی لاشیں ملیں۔ اہلکار کا کہنا تھا کہ تینوں چرواہوں کی عمریں 13 سے 18 سال کے درمیان تھیں۔ چاغی بلوچستان کا وہ ضلع ہے جس کی سرحد مغرب میں ایران جبکہ شمال میں افغان سے ملتی ہے۔ رائیو ضلع میں راسکوہ کی پہاڑی علاقے سے متصل علاقہ ہے جہاں تین چرواہوں کی ہلاکت اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے۔ انتظامیہ کے اہلکار نے بتایا کہ ملزمان کا پتہ لگانے کے لیے کوششیں شروع کردی گئی ہیں مگر تا حال چرواہوں کی ہلاکت کے محرکات معلوم نہیں ہوسکے۔

(نامہ نگار)

ای پی آئی کے سربراہ کو قتل کر دیا گیا

صوابی 30 نومبر کو ضلع میں ویکسینیشن کے توسیع شدہ پروگرام (ای پی آئی) کے سربراہ ڈاکٹر محمد یعقوب کو گولی مار کر قتل کر دیا گیا جبکہ ان کا ڈرائیور زخمی ہوگیا۔ موٹر سائیکل پر سوار نامعلوم ملزمان نے تھانہ زائیدہ کی حدود میں انہیں اس وقت نشانہ بنایا جب وہ سرکاری گاڑی میں گاؤں دوڈھیر سے شاہ منصور کے علاقے میں واقع باچا خان میڈیکل کالج کمپلیکس جا رہے تھے۔ یہ واقعہ زائیدہ بائی پاس پر پیش آیا۔ گولیوں کی آواز سننے پر لوگ فوری طور پر جائے وقوعہ پر پہنچے لیکن حملہ آور فرار ہوچکے تھے۔ ای پی آئی کے سربراہ موقع پر جاں بحق ہوگئے جبکہ ان کا کزن محمد عرفان جو گاڑی چلا رہا تھا، زخمی ہوگیا۔ اسے باچا خان میڈیکل کمپلیکس منتقل کر دیا گیا۔ مقتول کے خاندان کا کہنا ہے کہ ان کی کسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی۔ ویکسینیشن پروگرام سے وابستہ ایک سینیئر عہدیدار کا کہنا ہے کہ ''وہ ایماندار اور محنتی ڈاکٹر تھے۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، ان کی کسی کے ساتھ ذاتی دشمنی نہیں تھی۔'' انہوں نے مزید کہا کہ اگرچہ پولیو ٹیموں کو درپیش خطرات کے حوالے سے صوابی ایک حساس علاقہ نہیں تاہم ماضی میں پولیو ورکر اور ویکسینیشن پروگرام سے وابستہ افراد جنگجوؤں کے حملوں کا نشانہ بنتے رہے ہیں۔ اسی دوران پیرامیڈیکس ایسو سی ایشن نے ڈاکٹر یعقوب کے قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ کرتے ہوئے ایک روزہ سوگ کا اعلان کیا۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

فائرنگ کے واقعات میں چار افراد ہلاک

کوئٹہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں تشدد کے مختلف واقعات میں حکمران جماعت نیشنل پارٹی کے دو مقامی رہنماؤں اور ایک کونسلر سمیت چار افراد ہلاک ہوگئے ہیں۔ نیشنل پارٹی کے مقامی رہنماؤں کی ہلاکت کا واقعہ 8 دسمبر کو ضلع خضدار کے علاقے گریشہ میں پیش آیا۔ خضدار میں انتظامیہ کے ذرائع نے بتایا کہ ایک گاڑی میں چار افراد جا رہے تھے۔ ان افراد کو گریشہ میں بدرنگ کے مقام پر نامعلوم مسلح موٹر سائیکل سوار مسلح افراد نے روکا۔ مسلح افراد نے نیشنل پارٹی کے مقامی رہنماؤں عطاءاللہ ساجدی اور صدیق سمالانی کو گاڑی سے اتار کر ان پر فائرنگ کردی۔ فائرنگ کے نتیجے میں دونوں رہنما ہلاک ہوگئے۔ نیشنل پارٹی کے رہنماؤں کو ہلاک کرنے کے واقعے کے محرکات معلوم نہیں ہوسکے۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان کے ترجمان اور نیشنل پارٹی کے رہنما جان محمد بلیدی نے اس واقعے کی مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ دہشت گرد ٹولہ نہتے سیاسی اور قبائلی رہنماؤں کو ٹارگٹ کرکے خوف کا ماحول پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ادھر پنجگور ٹاؤن میں فائرنگ کے ایک اور واقعہ میں ایک شخص ہلاک ہوا۔ گذشتہ روز بھی کوئٹہ شہر میں فائرنگ کے ایک واقعے میں ہزارہ قبیلے سے تعلق رکھنے والے دو افراد ہلاک ہوئے تھے۔ پولیس کے مطابق دونوں افراد کو اسپنی روڈ پر فائرنگ کرکے ہلاک کیا گیا تھا۔

(نامہ نگار)

خودکش دھماکے میں 26 افراد ہلاک

مردان خیبر پختونخوا کے ضلع مردان میں نیشنل ڈیٹا بیس اینڈ رجسٹریشن اتھارٹی (نادرا) کے دفتر پر خودکش حملے میں 26 افراد ہلاک جبکہ درجنوں زخمی ہوگئے۔ 29 دسمبر کو نادرا آفس کے باہر شناختی کارڈ بنوانے والوں کا رش تھا، جب ایک خودکش حملہ آور نے اپنی موٹر سائیکل دفتر کے دروازے سے ٹکرا دی۔ صوبائی وزیر اطلاعات مشتاق غنی نے کم از کم 26 ہلاکتوں اور 50 سے زائد افراد کے زخمی ہونے کی تصدیق کی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ 11 زخمیوں کی حالت تشویش ناک ہے۔ بعض شدید زخمیوں کو پشاور کے لیڈی ریڈنگ ہسپتال منتقل کیا گیا۔ ضلعی پولیس چیف فیصل شہزاد نے کہا کہ حملہ آور موٹر سائیکل پر سوار تھا۔ بظاہر حملہ آور کا ہدف دفتر میں تقریباً 400 افراد پر مشتمل قطار تھی۔ بم ڈسپوزل اسکواڈ کے مطابق دھماکے میں 8 سے 10 کلوگرام بارودی مواد استعمال کیا گیا۔ عینی شاہد اور 29 سالہ زخمی مزدور ناصر خان نے خبر رساں ادارے اے ایف پی کو بتایا کہ وہ قطار میں کھڑے اپنی باری کے انتظار میں تھے کہ اچانک زوردار دھماکا ہوا اور وہ زمین پر گر پڑے۔ کالعدم تحریک طالبان پاکستان سے علیحدہ ہونے والے گروپ جماعت الحرار کے ترجمان احسان اللہ احسان نے حملے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ کالعدم ٹی ٹی پی کے ترجمان محمد خراسانی نے بیان میں کہا 'عوامی مقامات پر دھماکوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔

(نامہ نگار)

لاہور کی خواتین شام جا کر دولت اسلامیہ میں شامل

----- پاکستان کے صوبہ پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں اطلاعات کے مطابق تین خواتین ایک درجن سے زیادہ بچوں کو لے کر شدت پسند تنظیم دولتِ اسلامیہ میں شامل ہونے کے لیے شام چلی گئی ہیں۔ان افراد کے اغوا کی ایف آئی آر چند ماہ قبل ٹاؤن شپ، وحدت کالونی اور ہنجر وال کے تھانوں میں درج کروائی گئی تھیں۔تاہم پولیس کا کہنا ہے کہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کو یہ معلومات ملی ہیں کہ یہ لوگ کراچی اور گوادر کے راستے ایران سے شام گئے ہیں تا کہ دولتِ اسلامیہ میں شامل ہوسکیں۔لاہور کے ڈی آئی جی آپریشنز ڈاکٹر حیدر اشرف نے بی بی سی کو پہلے بتایا تھا کہ ’پولیس کے پاس تو ان کے اغوا کی ایف آئی آر درج تھی لیکن اب ان میں سے کچھ خواتین کا رابطہ اپنے گھر والوں سے ہوا ہے جنھوں نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو یہ اطلاع دی ہے کہ وہ اغوا نہیں ہوئیں بلکہ اپنی مرضی سے شام گئی ہیں۔‘ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ ’محکم؟ انسداد دہشت گردی کی مزید تفتیش سے انکشاف ہوا ہے کہ یہ خواتین کراچی اور گوادر کے راستے ایران سے شام گئیں تا کہ داعش کے لیے کام کر سکیں۔‘ تاہم اب ان کا کہنا ہے کہ پولیس اس حوالے سے مزید تحقیقات کر رہی ہے۔بی بی سی کو موصول ہونے والی ایف آئی آر کے مطابق تھانہ ہنجر وال میں اپنی پوتی کی اغوا سے متعلق ستمبر میں دی گئی درخواست میں فاطمہ بی بی نے پولیس کو اطلاع دی تھی کہ ان کی ایک بیٹی ارشاد بی بی اپنے دو بچوں کے ساتھ چند ماہ پہلے شام منتقل ہو چکی ہیں۔مبینہ طور پر شام جانے والی خواتین میں ٹاؤن شپ کی بشریٰ چیمہ عرف حلیمہ کے علاوہ فاطمہ بی بی کی ہمسائی فرحانہ بھی شامل ہیں جو ستمبر میں اپنے پانچ بچوں کے ساتھ گھر سے غائب ہوئیں۔پولیس کے پاس تو ان کے اغوا کی ایف آئی آر درج تھی لیکن اب ان میں سے کچھ خواتین کا رابطہ اپنے گھر والوں سے ہوا ہے جنھوں نے قانون نافذ کرنے والے اداروں کو یہ اطلاع دی ہے کہ خواتین اغوا نہیں ہوئیں اپنی مرضی سے شام گئی ہیں۔محکم؟ انسداد دہشت گردی کی مزید تفتیش سے انکشاف ہوا ہے کہ یہ خواتین کراچی اور گوادر کے راستے ایران سے شام گئیں تا کہ داعش کے لیے کام کرسکیں۔ڈاکٹر حیدر اشرف

فرحانہ کے بھائی اور مقامی صحافی عمران خان نے پولیس کو ان کی گمشدگی کی اطلاع بھی دی تھی۔عمران کا کہنا ہے کہ فرحانہ کے شوہر اور محکمہ ریونیو کے ملازم مہر حامد شدت پسند تنظیموں سے ہمدردی کے جذبات رکھتے تھے اور انھیں تفتیش کے لیے قانون نافذ کرنے والے اداروں نے حراست میں بھی لیا تھا اور وہ کئی ماہ تک لاپتہ رہے۔عمران کا کہنا تھا کہ اس دوران فرحانہ میں شدت پسندی کا رجحان نمایاں ہوا اور وہ ستمبر میں اپنے پانچ بچوں سمیت گھر سے غائب ہوگئیں۔تاہم عمران کا دعوی ہے کہ فرحانہ نے پاکستان کی سرحد عبور نہیں کی تھی بلکہ ستمبر میں ہی ایف سی نے انھیں ایران کی سرحد کے قریب جیوانی سے گرفتار کرلیا تھا۔عمران کا کہنا ہے کہ اس کے بعد بھی ان کی انٹرنیٹ کے ذریعے اپنی بہن سے بات ہوئی ہے تاہم وہ اس وقت کہاں ہیں۔اس حوالے سے کو کچھ نہیں جانتے۔ان افراد کے شام جانے کی تصدیق ایسے موقعے پر ہوئی ہے جب ایک روز قبل ہی انسداد دہشت گردی فورس نے سیالکوٹ کے قریبی علاقے ڈسکہ میں آٹھ افراد پر مشتمل ایک ایسا نیٹ ورک توڑنے کا دعویٰ کیا تھا جو پاکستان میں دولتِ اسلامیہ کی سرگرمیوں کو منظّم کرنے اور ان کے لیے بھرتیاں کرنے کا کام کر رہا تھا۔پنجاب کے وزیرِ قانون رانا ثنا اللہ نے پنجاب میں اس شدت پسند تنظیم کی موجودگی کی سرکاری سطح پر تصدیق کرتے ہوئے بتایا تھا کہ ڈسکہ میں موجود یہ آٹھ افراد دولتِ اسلامیہ کے لیے کام کرنے والے ایک شخص امیر معاویہ سے موبائل سروس وائبر کے ذریعے رابطے میں تھے۔ان کے مطابق یہ افراد شام جانے کی تیاریوں میں تھے کہ حکومتی ایجنسیوں نے ان کا پتہ لگا کر ان کے خلاف کارروائی کی۔ان پر الزام ہے کہ انھوں نے ایک تربیتی کیمپ بھی بنا رکھا تھا جہاں یہ لوگوں کی برین واشنگ کر رہے تھے۔پاکستان کے وفاقی وزیرِ داخلہ چوہدری نثار علی خان ماضی میں ملک میں دولتِ اسلامیہ کی موجودگی کی تردید کرتے رہے ہیں۔خیال رہے کہ فی الحال حکام کے پاس اس حوالے سے کوئی حتمی معلومات موجود نہیں کہ صوبہ پنجاب میں دولتِ اسلامیہ کا نیٹ ورک کتنا وسیع ہے اور اس میں شمولیت کے لیے پاکستان سے باہر جانے والے افراد کی اصل تعداد کیا ہے۔(بشکریہ بی بی سی اردو)

کیچ میں ایک اور انتخابی اُمیدوار کا مکان نذرِ آتش

کیچ پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے پسماندہ ضلع کیچ میں صوبائی اسمبلی کی نشست پر ضمنی انتخاب لڑنے والے امیدوار میر محمد علی رند کا مکان نذرِ آتش کر دیا گیا۔یہ اس علاقے میں گذشتہ ایک ہفتے کے دوران کسی بھی سیاسی امیدوار کے مکان کو نذر آتش کرنے کا یہ دوسرا واقعہ ہے۔مقامی انتظامیہ نے بتایا کہ 31 دسمبر کو مند میں واقع میر محمد علی رند کے مکان کو آگ لگائی گئی۔مند میں انتظامیہ کے ایک اہلکار نے بتایا کہ گذشتہ شب اس علاقے میں نامعلوم مسلح افراد آئے اور انھوں نے اُمیدوار میر محمد رند کے مکان کو آگ لگا دی۔اہلکار کا کہنا ہے کہ اس واقعے میں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا تاہم مکان اور اس میں موجود سامان کو نقصان پہنچا۔میر محمد علی رند کا تعلق بلوچستان نیشنل پارٹی (عوامی) سے ہے۔اس سے قبل اس حلقے سے انتخاب میں حصے لینے والے حکمران جماعت مسلم لیگ (ن) کے امیدوار اکبر آسکانی کے مکان کو بھی نذر آتش کیا گیا تھا۔میر محمد علی رند کے مکان کو نذر آتش کرنے کی ذمہ داری تا حال کسی نے قبول نہیں کی ہے لیکن اکبر آسکانی کے مکان پر حملے کی ذمہ داری کالعدم عسکریت پسند تنظیم بلوچ ریپبلکن آرمی نے قبول کی تھی۔بلوچستان اسمبلی کی نشست پی بی 50 کیچ میں ضمنی انتخاب 31 دسمبر کو ہو رہا ہے۔واضح رہے کہ بلوچ عسکریت پسند تنظیموں نے یہ دھمکی دی ہے کہ لوگ حلقے میں انتخابی عمل سے دور رہیں۔چند روز قبل اس علاقے میں انتخابی مہم چلانے والے پانچ افراد کو اغوا بھی کیا گیا تھا جن کی تا حال رہائی عمل میں نہیں آئی۔ (بشکریہ بی بی سی)

سیاسی ورکر جاں بحق

یزمان ڈسٹرکٹ بہاولپور کی تحصیل یزمان کے علاقہ یونین کونسل 90 سٹی کے وارڈ نمبر 14 میں مسلم لیگ نے اور مسلم لیگ ق کے کارکنوں کے درمیان تصادم ہوا جس کے نتیجے میں پانچ افراد زخمی ہوگئے ان میں سے ایک زخمی محمد عدنان کو تشویشناک صورتحال میں بہاولپور میں وکٹوریہ ہسپتال میں داخل کروایا گیا جو زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جاں بحق ہوگیا۔تھانہ سٹی یزمان میں فقیر محمد کی مدعیت میں مقدمہ درج کرلیا اور نامزد مزمان میں سے نعیم کھرل، احسان علی، حاجی خالد اور عمار خالد کو گرفتار کرلیا گیا۔ وارڈ نمبر 14 میونسپلٹی یزمان سے مسلم لیگ نے کے امیدوار سابق نائب تحصیل ناظم چوہدری بشارت رندھاوا نے پولیس کو دی گئی درخواست سے میں کہا کہ بشارت 3 دسمبر کو دیگر لوگوں کے ہمراہ الیکشن آفس میں موجود تھے کہ ق لیگ کے امیدوار ملک سرور، ملک طارق اپنے دیگر نامعلوم مسلح افراد نے کیمپ پر حملہ کر دیا ان لوگوں نے اینٹیں برسانا شروع کردی اور ملک محمد نواز نے فائرنگ کر کے حاجی حالد جاوید، اصغر علی اور شفیق کو زخمی کر دیا۔ ق لیگ کے امیدوار ملک سرور نے اپنے موقف میں بتایا کہ وہ پرامن ریلی لے کر جا رہے تھے کہ ن لیگ کے کارکنوں ضیاء اللہ خالد، احسان علی، اسر عرفان، ثقلین اور نعیم نے آگے رکاوٹیں کھڑی کردیں اور چھتوں سے اینٹیں برسانا شروع کردیں، ن لیگ کے کارکنوں نے ق لیگ کے نہتے لوگوں پر پتھراؤ کیا اور 17 سالہ عرفان کو بندوق کے لٹ سے تشدد کا نشانہ بنایا جس کی وجہ سے وہ جان بحق ہوگیا۔

(نامہ نگار)

کراچی میں جرائم کم ہوئے، شدت پسند حملے زیادہ

پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں سیاسی اور لسانی بنیادوں پر تصادم اور عام جرائم کی وارداتوں میں کمی آئی ہے، لیکن شدت پسندوں کے حملے سال 2015 میں بھی سکیورٹی اداروں کے لیے کھلا چیلنج رہے۔ اسی سال دولت اسلامیہ کا ظہور ہوا اور شدت پسندوں کے نئے رجحان اور طریق واردات سامنے آئے۔ کراچی میں ٹارگٹ کلنگ، بھتہ خوری، شدت پسندی اور اغوا برائے تاوان کی روک تھام کے لیے تو آپریشن پہلے سے جاری تھا لیکن رواں سال اس نے نیشنل ایکشن پلان کا لبادہ اوڑھ لیا اور آپریشن کی کمانڈ صوبائی حکومت کے علاوہ فوجی قیادت کے پاس بھی آ گئی جس کے نتیجے میں پولیس اور رینجرز کے علاوہ فوج کو بھی ٹارگٹ کیا گیا۔ رواں برس دہشت گردی کا آغاز ہی پولیس اہلکاروں کو نشانہ بنا کر کیا گیا، 27 مارچ کو قائدآباد کے علاقے مرغی خانے کے قریب پولیس اہلکاروں کو بلاول ہاؤس پر لے جانے والی بس پر حملہ کیا گیا، موٹر سائیکل میں نصب بم کے حملے میں دو پولیس اہلکار ہلاک ہوئے۔ 24 اپریل کو موٹر سائیکل پر سوار حملہ آوروں نے معروف سماجی کارکن اور سیکنڈ فلور کی ڈائریکٹر سبین محمود کو ڈیفنس کے علاقے میں گولیاں مار کر قتل کر دیا جبکہ اُن کی والدہ شدید زخمی ہوئیں۔ سبین بلوچستان سے لاپتہ افراد کے بارے میں ایک مباحثے کے بعد گھر جارہی تھیں کہ یہ حملہ ہوا۔ چند ماہ بعد سبین کے ڈرائیور کو بھی فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا۔ سبین محمود کے قتل پر اندرون اور بیرون ملک انسانی حقوق کی تنظیموں نے شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ فوج کے شعبہ تعلقاتِ عامہ آئی ایس پی آر کے ترجمان جنرل عاصم باجوہ نے سماجی رابطوں کی ویب سائٹ ٹوئٹر پر سبین محمود کے قتل کی مذمت کی اور آگاہ کیا کہ تحقیقاتی اداروں کو ملزمان پکڑنے کا ٹاسک دیا گیا ہے۔

24 اپریل کو موٹر سائیکل پر سوار حملہ آوروں نے معروف سماجی کارکن اور سیکنڈ فلور کی ڈائریکٹر سبین محمود کو ڈیفنس کے علاقے میں گولیاں مار کر قتل کر دیا تھا۔ یکم مئی کو ایک بار پھر دہشت گردوں نے پولیس افسران کو نشانہ بنایا۔ ٹارگٹ کلرز نے گلشن حدید کے علاقے میں ڈی ایس پی فتح محمد سانگری سمیت تین اہلکاروں کو ہلاک کر دیا اس حملے کی ذمہ داری بھی کالعدم تحریک طالبان پاکستان نے قبول کی تھی۔ 10 مئی کو نامعلوم حملہ آوروں نے ڈی ایس پی ذوالفقار زیدی کو شاہ فیصل کالونی میں فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔ اس نوعیت کے حملوں اور مقابلوں میں رواں سال 82 پولیس اہلکار ہلاک ہوئے۔ اسی سال شہر کی تاریخ میں ایک بدترین باب کا اضافہ ہوا، جب 13 مئی کو صفوراں چوک کے قریب شدت پسندوں نے اسماعیلی برادری کی بس میں گھس کر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں 45 افراد ہلاک اور 13 زخمی ہوئے۔ جائے وقوع سے پولیس کو 'دولت اسلامیہ' کے پمفلٹ ملے تھے۔ پولیس نے اس حملے میں طاہر حسین منہاس عرف سائیں عرف نذیر عرف زاہد، سعد عزیز عرف ٹن ٹن عرف جون، محمد اظہر عشرت عرف ماجد اور حافظ ناصر حسین عرف یاسر کو گرفتار کیا، ملزمان نے دوران تفتیش پولیس کو بتایا تھا کہ وہ دولت اسلامیہ سے متاثر تھے اور قیادت کو متاثر کرنے کے لیے انھوں نے بس پر حملہ کیا۔

> پولیس نے اپنے موقف کی خود ہی نفی کر دی اور کہا کہ بعض ملزمان کی بیگمات پر خواتین کا ایک گروہ سرگرم ہے جس کی ہمدردیاں القاعدہ کی مخالف تنظیم داعش کے ساتھ ہیں اور یہ گروہ خواتین کی ذہن سازی اور چندہ اکٹھا کرنے کے علاوہ شدت پسندوں کی شادیوں کا انتظام کرتا ہے۔

پولیس کے مطابق صفوراں واقعے کے ملزمان نے دیگر انکشافات بھی کیے۔ پولیس کا دعویٰ ہے کہ گرفتار سعد عزیز سماجی کارکن سبین محمود کے قتل میں بھی ملوث ہے جبکہ اسی گروہ نے شہر کے مختلف علاقوں میں داعش کی حمایت میں چاکنگ، گلشن اقبال اور نارتھ ناظم آباد میں بیکن ہاؤس اسکولوں پر دستی بم پھینکنے اور امریکی شہری ڈیبرا لوبو پر فائرنگ کے بھی اعتراف کیے ہیں۔ صفوراں واقعے کے ملزمان کی نشاندہی پر شدت پسندوں کے مالی سہولت کاروں کا بھی نیٹ ورک پکڑا گیا۔ پولیس نے تاجر شیبا احمد، سلیم احمد، محمد سلیمان سعید، خالد سیف اور عادل مسعود بٹ جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پروفیشنل ملزمان کو گرفتار کیا جن کا تعلق القاعدہ سے بتایا گیا۔

پولیس نے اپنے موقف کی خود ہی نفی کر دی اور کہا کہ بعض ملزمان کی بیگمات پر مشتمل خواتین کا ایک گروہ سرگرم ہے جس کی ہمدردیاں القاعدہ کی مخالف تنظیم داعش کے ساتھ ہیں اور یہ گروہ خواتین کی ذہن سازی اور چندہ اکٹھا کرنے کے علاوہ شدت پسندوں کی شادیوں کا انتظام کرتا ہے۔

یاد رہے کہ پاکستان میں اعلیٰ حکومتی سطح پر داعش کی موجودگی کو مسترد کیا جاتا رہا ہے۔ ایک اعلیٰ پولیس افسر کے مطابق عسکری قیادت اس حقیقت کو جھٹلاتی ہے۔ شہر میں القاعدہ کی بدستور موجودگی کے بھی ثبوت سامنے آئے، 18 اگست کی صبح سیکیورٹی اہلکاروں نے گلشن اقبال میں ایک رہائشی عمارت پر چھاپہ مارا، جہاں مبینہ روپوش شدت پسندوں کی فائرنگ سے خفیہ ادارے کا اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہلاک ہوگیا جبکہ جوابی فائرنگ میں دو شدت پسند ہلاک ہوگئے جن کا تعلق القاعدہ سے بتایا گیا تھا۔ اسی سال شہر کی تاریخ میں ایک بدترین باب کا اضافہ ہوا، جب 13 مئی کو صفوراں چوک کے قریب شدت پسندوں نے اسماعیلی برادری کی بس میں گھس کر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں 45 افراد ہلاک ہوئے۔

سیاسی بنیادوں پر ہلاکتوں کے واقعات میں بڑی حد تک کمی آئی لیکن کچھ ہائی پروفائل واقعات پیش آئے، 19 اگست کو موٹر سائیکل پر سوار حملہ آوروں نے نیو ٹاؤن کے علاقے میں ایم کیو ایم کے رکن قومی اسمبلی رشید گوڈیل کی گاڑی پر فائرنگ کر دی جس سے وہ شدید زخمی ہوگئے۔ اس حملے کی وجوہات تاحال سامنے نہیں آئیں اور نہ ہی کوئی گرفتاری کی گئی جبکہ سوالات کئی اٹھتے رہے۔ پولیس اور رینجرز کے علاوہ فوج پر بھی حملے کا واقعہ پیش آیا جب یکم دسمبر کو ایم اے جناح روڈ پر تبت سینٹر کے قریب ملٹری پولیس کی گاڑی پر فائرنگ کر کے دو اہلکاروں کو ہلاک کر دیا گیا۔

کراچی میں رواں سال 1776 افراد ہلاک ہوئے جن میں 55 فیصد عام شہری جبکہ 96 قانون نافذ کرنے والے اداروں کے اہلکار تھے۔ پولیس کے اعداد و شمار مطابق رواں سال 986 افراد کو ہلاک کیا گیا، 1577 پولیس مقابلوں میں ہلاک ہوئے۔ 385 ملزمان کو رنگے ہاتھوں گرفتار کیا گیا جبکہ 544 مبینہ ڈاکو مارے گئے۔

رینجرز کے مطابق رواں سال انہوں نے 2410 آپریشن کیے جن میں 4047 مشتبہ افراد کو حراست میں لیا گیا جن میں سے نصف کے قریب پولیس کے حوالے کیے گئے جبکہ دیگر کہاں گئے یہ واضح نہیں کیا گیا۔ ترجمان کے مطابق گرفتار ملزمان میں 887 مبینہ دہشت گرد اور 268 ٹارگٹ کلرز بھی شامل ہیں۔ اسی طرح حملوں میں 12 رینجرز اہلکار ہلاک ہوئے جبکہ مقابلوں میں 152 ملزمان ہلاک ہوئے۔

(بشکریہ بی بی سی اردو ڈاٹ کام)

انسانی حقوق کا عالمی دن

ایچ آر سی پی نے انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر ملک کے مختلف حصوں میں پرامن تقاریب اورریلیوں کا اہتمام کیا

حیدرآباد انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق، سمیت مختلف سیاسی وسماجی تنظیموں نے ماورائے عدالت قتل، سیاسی کارکنوں کولاپتہ کرنے، خواتین پر تیزاب پھینکنے اورجعلی مقابلوں میں شہریوں کوقتل کرنے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ملک میں انسانی حقوق کی صورتحال تشویشناک ہے جس کی وجہ اداروں کا احتساب نہ ہونا ہے۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے انسانی حقوق کے عالمی دن پر ریڈیو پاکستان تاپریس کلب تک ریلی نکالی گئی جس میں سندھ ڈیموکریٹک فورم، سندھ ہاری پورہیت کونسل، وومن ایکشن فورم، سیپ پاکستان، اسپارک، سندھ کمیونٹی فاؤنڈیشن ودیگرتنظیموں نے شرکت کی۔ مظاہرین پاکستان اور بالخصوص سندھ میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر احتجاج کررہے تھے۔ ریلی کے شرکاء سے خطاب کرتے ہوئے ڈاکٹر اشوتھاما، حسین بخش، پنہل ساریو، پروفیسر مشتاق میرانی، حسین مسرت، مصطفیٰ بلوچ ودیگر مقررین نے انسانی حقوق کے لیے جدوجہد کرنے والوں کوخراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ ماورائے عدالت ہلاکتوں میں بالخصوص سندھ وبلوچستان میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔ سندھ میں فورسز کی جانب سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ قوم پرست کارکنوں کو بلاجوازحراست میں لے کرغائب کردیا جاتا ہے اور بعدمیں ان کی لاشیں ملتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی کارکنوں پر بلاجواز جھوٹے مقدمات قائم کرنا اور ہراساں کرنا معمول بن گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کراچی میں امن وامان کی صورتحال کسی حد تک بہتر ہوئی ہے مگر رینجرز وہاں جس طرح سے کام کررہی ہے اس میں شفافیت نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملک بھرمیں مذہبی اقلیتوں اورفرقوں بالخصوص ان کی عبادت گاہوں پرحملوں میں بہت اضافہ زیادہ ہوا ہے۔ شکارپور میں ایک امام بارگاہ، پنجاب میں گرجاگھروں اورسندھ کے کئی علاقوں میں مندروں کونشانہ بنایا گیا۔ حکومت نے مذہبی اقلیتوں پران حملوں کی بنیادی وجوہات جاننے کے بجائے صرف علامات پرتوجہ مرکوز رکھی، گزشتہ چند ماہ کے دوران متعدد بچوں کوظالمانہ اورجنسی حملوں کا سامنا کرناپڑا، عوام کے معاشی حقوق اور ملک کودرپیش معاشی بحران پرتوجہ نہیں دی جارہی جس کے نتیجے میں بیروزگاری اورغربت میں اضافہ ہورہا ہے۔ بجلی، صاف پانی اورگیس کی بڑھتی ہوئی کسی پرقابو پانے کے لیے کوئی منصوبہ بندی نظرنہیں آرہی۔ تعلیم کے لیے بہت کم بجٹ مختص کیا گیا، صحت کے کم بجٹ کی وجہ سے ملک بھر میں کمسن بچے اموات کا شکار ہورہے ہیں، پولیو کے واقعات غیر معمولی حدتک بڑھ رہے ہیں۔ مقررین نے کہا کہ کسانوں، مزدور، خواتین اوربچوں کے لیے صرف قانون سازی کافی نہیں بلکہ اس پرعملدرآمد کے موثر اقدامات ضروری ہیں۔ کم اجرت کے باعث کسان اورمزدورغربت کی لکیر سے نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں، خواتین گھریلوتشدد کا نشانہ بن رہی ہیں اوربچوں پربھی تشدد عام ہے۔ انہوں نے کہا کہ وفاقی اورصوبائی حکومتوں کو چاہیے کہ وہ ان معاملات سے پہلوتہی کرنے کے بجائے ان پر توجہ دیں۔ انسانی حقوق کے عالمی دن کے حوالے سے جیئے سندھ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کی جانب سے پریس کلب حیدرآباد کے

> سندھ میں فورسز کی جانب سے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ قوم پرست کارکنوں کو بلاجوازحراست میں لے کرغائب کردیا جاتا ہے اور بعد میں ان کی لاشیں ملتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سیاسی کارکنوں پر بلاجواز جھوٹے مقدمات قائم کرنا اور ہراساں کرنا معمول بن گیا ہے۔

سامنے احتجاج کیا گیا۔ اس موقع پر ساگر حنیف ہڑدی، اکشن سندھ، مہرسومرو ودیگر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کے ریاستی ادارے سندھ وبلوچستان میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کررہے ہیں اورسندھ کے حقوق کی بات کرنے والوں کو جبری طور پر لاپتہ کرکے قتل کیا جارہا ہے۔ یا پھر ٹارچر سیلوں میں رکھ کرغیرانسانی تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج بھی سندھ کے درجنوں نوجوان ٹارچرسیلوں میں اذیتیں برداشت کررہے ہیں اورجیلوں میں بے گناہ قیدی ہیں جن کے مقدمات نہیں چلائے جارہے ہیں۔ انہوں نے انسانی حقوق کے عالمی اداروں سے اپیل کی کہ پاکستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا نوٹس لیکر سندھیوں کی نسل کشی بند کی جائے۔ علاوہ ازیں پاکستان ہیومن رائٹس فورم کی جانب سے بھی انسانی حقوق کی بحالی کے لیے پریس کلب کے سامنے مظاہرہ کیا گیا جس میں محبوب سانگی ودیگر نے شرکت کی۔

(لالہ عبدالحلیم)

ملتان پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی سپیشل ٹاسک فورس ملتان کے زیراہتمام مورخہ 10 دسمبر 2015 کو انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پرعلامہ اقبال پارک نواں شہر چوک سے ملتان پریس کلب تک ایک پرامن ریلی کا انعقاد کیا گیا۔ ریلی میں انسانی حقوق کمیشن کے ممبران، سول سوسائٹی کے عہدیداران، وکلاء اورشہریوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ ریلی کے شرکاء نے پلے کارڑ اور بینرز اٹھا رکھے تھے جس میں رواں سال کے دوران ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ ریلی کے شرکاء نے انسانی حقوق کے محافظین جن میں نعیم صابر، صدیق عیدو، زرلطیف آفریدی، ملک جرار، راشد رحمان خان اورزمان محسود ودیگرمحافظین جنھوں نے انسانی حقوق کی راہ میں اپنی جانیں قربان کیں کوزبردست خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ انسانی حقوق کے ان محافظوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے انسانی حقوق کی جدوجہد کو ہمیشہ کے لئے زندہ رکھا ہے۔ ہم تمام ریلی کے شرکاء آج کے دن کی مناسبت کے حوالے سے ریاست سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں جیسے کہ خواتین پرجسمانی وذہنی تشدد، تیزاب گردی، جنسی زیادتی، غیرت کے نام پرقتل، بچوں کی کم عمری میں شادی، بچوں سے بدفعلی، مزدوروں کے حقوق کا استحصال، محنت کشوں پر وڈیروں کاظلم وتشدد، نسلی وفرقہ ورانہ تعصب، دہشت گردی، آزادی رائے پرپابندی، بے گناہ قیدیوں پرظلم وتشدد، جیسے سنگین واقعات کی روک تھام کرے اور اس حوالے سے آئین اور پارلیمنٹ سے منظورشدہ قوانین پرمطلقہ اداروں سے سختی سے عمل درآمد بھی کرائے۔ ریلی کے شرکاء نے آخر میں ملتان پریس کلب کے سامنے انسانی حقوق کی جدوجہد میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے تمام محافظین کی یاد میں شمعیں روشن کرکے انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ ریلی کے شرکاء میں رشید چوہان، شیخ امجد پرویز عنائیت اللہ نیازی ایڈووکیٹ، طاہرالماس، ہائی سینتھ پیٹر، نعیم ہارون، رانا سعید، نواز کھوکھر، نذیر احمد، شاہد لودھی، عمانوایل عاصی، شاہد امیری، ثریا ایاز ایڈووکیٹ، رابعہ ساغر ایڈووکیٹ، زکیہ صدیقہ، زاہدہ خان، صائمہ فیض مہر اشرف اور فیصل تنگوانی کے علاوہ شہریوں کی بڑی تعداد شامل تھی۔

(ایم اکمل)

کوئٹہ 11 دسمبر 2015 پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے دارالحکومت کوئٹہ میں انسانی حقوق کے عالمی دن کی مناسبت سے احتجاجی مظاہرے کیے گئے۔ یہ مظاہرے کوئٹہ پریس کلب کے باہر منعقد ہوئے۔ ان میں سے ایک مظاہرہ لاپتہ افراد کے رشتہ داروں کی تنظیم وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز، ہومین رائٹس کمیشن آف پاکستان اور بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کی جانب سے

مشترکہ طور پر منعقد کیا گیا۔مظاہرے سے قبل ان تنظیموں کی جانب سے پریس کلب میں ایک سیمینار بھی منعقد کیا گیا۔سیمنار سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے الزام عائد کیا کہ بلوچستان میں بڑے پیانے پر حقوق انسانی کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری ہے۔بلوچ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن کی چیئر پرسن بی بی گل بلوچ نے کہا کہ بلوچستان کے مختلف علاقوں میں آپریشن اب بھی جاری ہے۔انھوں نے الزام عائد کیا کہ نہ صرف لوگوں کو لاپتہ کرنے کا سلسلہ جاری ہے بلکہ مختلف علاقوں میں لوگوں کے گھروں کو بھی جلایا جارہا ہے۔مقررین نے حقوق انسانی کی تنظیموں پر زور دیا کہ وہ بلوچستان میں انسانی حقوق کی پامالی کو روکنے کے لیے کردار ادا کریں۔دوسرا مظاہرہ بلوچستان نیشنل پارٹی (مینگل) کے زیر اہتمام کیا گیا جس میں خواتین بھی شریک تھیں۔مقررین نے مطالبہ کیا کہ بلوچستان میں انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات کو روکا جائے۔سخت گیر موقف کے حامل قوم پرست جماعتوں کے اتحاد بلوچ نیشنل فرنٹ کی جانب سے انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات کے خلاف ہڑتال کی کال دی گئی تھی۔فرنٹ کی جانب سے مقامی میڈیا کو جاری کیئے جانے والے ایک بیان کے مطابق ہڑتال کی کال پر متعدد علاقوں میں شٹرڈاؤن ہڑتال بھی رہی۔تاہم کوئٹہ میں فرنٹیئر کور کے ترجمان کی جانب سے کہا گیا ہے کہ ہڑتال کی کال ایف سی،عوام اور سول انتظامیہ کی کوششوں سے ناکام بنادی گئی۔

(بی بی سی اردو)

---- دنیا بھر میں ہر برس 10 دسمبر کو انسانی حقوق کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔اس دن کو منانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسان پر ہونے والے ظلم وجبر کے خلاف آواز بلند کی جائے،انسان کا انسان پر انفرادی طور پر بھی ظلم ہوتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ پورے کے پورے معاشرے ظلم وجبر کا شکار ہو جاتے ہیں۔انسانی حقوق کی پامالی کی یہ ایک تصویر ہے۔اب اس کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ہمارے معاشرے میں اگر کسی بااثر فرد یا افراد کو کسی سے عناد یا عداوت ہے اور مدمقابل کسی اقلیتی مذہب سے تعلق رکھتا ہے تو وہ بااثر فرد یا افراد اپنے مدمقابل پر توہین رسالت کا الزام عائد کر دیتے ہیں اس سے آگے ان کا کام آسان کرنے کے لیے رجعت پسند مولوی حضرات یا وہ بے عمل جنت میں جانے کے طلب گار خود ہی کر دیتے ہیں۔یوں بھی ان الزام تراشی کرنے والوں و مذہب کے نام پر جلاؤ گھیراؤ کرنے والوں و قتل وغارت کرنے والوں کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ہمارے سامنے ایسی کئی مثالیں ہیں۔آج انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقعے پر ہمیں یہ عہد کرنا ہوگا کہ ہم حکومتی ایوانوں میں ایسے لوگوں کو بٹھائیں گے جو انسانیت کا احترام کرنے والے و درد دل رکھتے ہوں جو ایسی قانون سازی کریں کہ جس سے ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسانوں کے حقوق پامال نہ ہوں، جو وڈیراشاہی نظام کا مکمل خاتمہ کرسکیں، جو نجی جیلوں کے ساتھ ساتھ پولیس کے موجودہ انسان کش کلچر کا خاتمہ کرسکیں، جو اقلیتوں کے ساتھ ساتھ تمام مظلوم لوگوں کو تحفظ دے سکیں اگر ایسا کرلیا تو ٹھیک ورنہ اپنے اس زوال پذیر معاشرے کی تباہی کے ہم خود ذمے دار ہوں گے۔کیا ہم ایسا کر پائیں گے؟

(ایکسپریس اردو)

تربت مکران 10 دسمبر کو انسانی حقوق کے عالمی دن کے موقع پر ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس تربت مکران،ایس پی او تربت اور اسٹیئرنگ کمیٹی کیچ کے اشتراک سے ملا پازل ہال میں سیمینار اور پینٹنگ کمپٹیشن پر مشتمل ایک پروگرام منعقد ہوا۔جس میں متعدد خواتین وحضرات نے شرکت کی۔دو طالبات نے مشترکہ طور پر نظامت کے فرائض سرانجام دیئے،جن میں روزل اسلام اور شہیلہ اللہ بخش شامل تھیں۔سیمینار سے 12 خواتین وحضرات نے خطاب کیا،جن میں پروین نور اور کلثوم عبداللہ نے ''انسانی حقوق اور طالبات کی صورتحال'' اسد اللہ بلوچ نے،''انسانی حقوق اور میڈیا کی صورتحال، شازیہ اختر نے ''انسانی حقوق اور روزگار کی صورتحال'' التیاز سخی نے ''انسانی حقوق اور سیاسی صورتحال'' ڈاکٹر اسلم آزار نے ''انسانی حقوق اور صحت کی صورتحال'' شہناز شبیر نے ''انسانی حقوق اور خواتین کی صورتحال''، محمد طاہر نے ''انسانی حقوق اور صوبائی حکومت کی صورتحال''، خان محمد جان اور کریم گچکی نے ''انسانی حقوق اور صوبائی حزب اختلاف کی صورتحال'' جبکہ ماھکان مقبول اور ماہین وہاب نے ''انسانی حقوق اور تعلیم کی صورتحال'' کے موضوع، پر اظہار خیال کیا۔

''پینٹنگ کمپٹیشن'' کے لئے ''امن اور ہمارا معاشرہ'' کا موضوع دیا گیا تھا جس میں 9 تعلیمی اداروں کے 23 طلباء وطالبات نے حصہ لیا۔جن میں سے 3 طالبات نے پوزیشنیں حاصل کیں۔گورنمنٹ گرلز ماڈل ہائی اسکول تربت کی طالبہ صباحت نور نے پہلی پوزیشن،کیچ گریمر ہائی اسکول تربت کی یُسرا عطاء نے دوسری پوزیشن اور گورنمنٹ گرلز کالج تربت کی بی بی حوا نے تیسری پوزیشن حاصل کرلی۔ججز کے فرائض حسنہ ناز،حمل امین اور طارق مسعود نے سرانجام دیئے۔انعامات کا اعلان طارق مسعود نے کیا۔انعامات کی تقسیم کے فرائض سنگین گچکی اور غنی پرواز نے سرانجام دیئے۔ انعامات کے حصول کے لئے مستحقین کو حمل امین نے اسٹیج پر بلایا۔پہلے،دوسرے اور تیسرے انعامات کی مستحق طالبات کو شیلڈ دیئے گئے۔جبکہ حصہ لینے والے دیگر طلباء وطالبات کو سرٹیفکیٹس دیئے گئے۔پروگرام کے آخر میں ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس تربت مکران سمیت تینوں تنظیموں کی طرف سے حمل امین نے 17 قراردادیں پیش کیں،جنہیں شرکاء نے اتفاق رائے سے منظور کرلیا۔ان میں یہ قراردادیں شامل تھیں:

☆ پاکستان میں ہندو،مسلم،سکھ،عیسائی،شیعہ،سُنی،احمدی اور دیگر اقلیتی اور اکثریتی مذاہب اور فرقوں کے نام پر امتیازی سلوک، نا انصافی اور مظالم کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

☆ بلوچوں کو غیر قانونی طور پر اغوا کرنے، لاپتہ کرنے، شہید کرنے اور ان کی لاشوں کو مسخ کر کے ویرانوں میں پھینکنے کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

☆ بلوچ خواتین کو غیر قانونی طور پر اغوا کرنے، لاپتہ کرنے،شہید کرنے، اور اُن کی لاشوں کو مسخ کر کے ویرانوں میں پھینکنے کا سلسلہ ختم کیا جائے۔

☆ خواتین کے چہروں پر تیزاب پھینکنے کا غیر قانونی اور غیر انسانی سلسلہ بند کیا جائے۔

☆ بلوچوں کے گھروں کو لوٹنے،اور گھروں اور دیہاتوں کو آگ لگا کر جلانے، اور مسمار کرنے کا سلسلہ بند کیا جائے۔

☆ این ٹی ایس میرٹ لسٹ پر مکمل طور پر عمل درآمد کیا جائے اور پوسٹنگ کے احکامات جلدازجلد جاری کئے جائیں۔

☆ مسقط میں بھرتی ہونے والوں کو مزید روکا نہ جائے،اور اُنہیں جلدازجلد جانے کی اجازت دے دی جائے۔

☆ گوادر کے لوگوں کو رہائش کارڈ تک محدود نہ کیا جائے۔

☆ گوادر پورٹ اور اقتصادی راہداری کے بہانے بلوچوں کا قتل عام بند کیا جائے،اور بلوچستان کو تباہ و برباد نہ کیا جائے۔

☆ گوادر میں پینے کے صاف پانی کا گھمبیر مسئلہ حل کیا جائے۔

☆ مکران اور بلوچستان میں خاندانی سیاست کا سلسلہ بند کیا جائے۔

☆ تربت شہر کے مختلف حصوں سے کچرے کے ڈھیروں کو اٹھانے، گٹرلائنوں کی مرمت کرنے اور شہر میں اسپرے کرنے کا بندوبست کیا جائے۔

☆ ہم پرائیویٹ اسکولوں کے خلاف تعلیم کُش ''تعلیمی ریگولیشن اتھارٹی بل'' کی سخت مخالفت اور مذمت کرتے ہیں، اور اسے فوری طور پر واپس لینے کا پُرزور مطالبہ کرتے ہیں۔

(غنی پرواز)

(ایچ آر سی پی اسپیشل ٹاسک فورس تربت مکران)

پاکستان میں سزائے موت کے پسِ پردہ انسانی المیہ

سلطانہ نون ایمنسٹی انٹرنیشنل

وہ زوردار آواز جتنی دردناک تھی اتنی ہی تیز اور کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی۔ وہ آواز پاکستان میں ایک جیل کے پھانسی گھاٹ سے آنے والی آواز تھی۔ میں پاکستان کی بڑی جیلوں میں سے ایک کے پھانسی گھاٹ کے قریب کھڑی تھی اور یہاں پاکستان میں سزائے موت سے متعلق معلومات اکٹھا کرنے آئی تھی۔

جیل سپرٹنڈنٹ نے، جن کے ساتھ میں نے کئی گھنٹے گفتگو کرتے ہوئے گزارے، جیل میں پہلی چند پھانسیاں دیکھنے کے بعد اب وہ اپنے دفتر میں ان پر عمل درآمد کا انتظار کرتے ہیں۔

'آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ جب پھانسی گھاٹ کا پٹ کھلتا ہے تو کتنے دلوں کو تکلیف ہوتی ہے۔'

پشاور میں آرمی پبلک سکول پر حملے کے بعد دسمبر 2014 میں پاکستان نے پھانسیوں پر سے پابندی اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اس وقت سے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے 190 پھانسیاں ریکارڈ کی ہیں اور رمضان میں عارضی بندش کے بعد پھانسیوں کی 'کنویئر بیلٹ' دوبارہ چل پڑی ہے۔

پاکستان دنیا میں اس سال پھانسیاں دینے والا سب سے بڑا ملک بننے والا ہے۔ وہ صرف چین اور ایران سے پیچھے ہے۔ یہ ایک شرمناک کلب ہے جسے میں کسی کو بھی شریک ہونے کی خواہش نہیں ہونی چاہیے۔

پھانسی گھاٹ کے اس دورے نے مجھے پاکستان میں پھانسیوں کے ان اعداد و شمار کے پیچھے چھپے انسانی المیے سے روشناس کروایا۔

میں نے قیدی ذوالفقار خان کے بارے میں سوچا جنھیں میں چھ مئی کو پھانسی دیے جانے سے قبل جانتی تھی۔ انھوں نے 16 برس ایک غیر منصفانہ عدالتی سماعت کے بعد سزائے موت کے انتظار میں گزار دیے۔ اس دوران انھوں نے اپنا وقت اپنی اور دیگر قیدیوں کی تعلیم کے حصول میں صرف کیا۔ انہیں قیدی اور وارڈن حاصل کی گئی ڈگریوں کی وجہ سے 'ڈاکٹر ذوالفقار' کے نام سے پکارتے تھے۔

پھانسی گھاٹ کو دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں سوال آیا کہ ذوالفقار خان کے ذہن میں کیا خیال آیا ہوگا جب اس کے منہ پر کپڑا ڈالا گیا ہوگا اور گھاٹ تک لے جایا گیا ہوگا۔ کیا اس نے اپنے ساتھی قیدیوں کے بارے میں سوچا ہوگا جنہیں انھوں نے پڑھایا اور جذبہ دیا یا اپنی دو بیٹیوں کے بارے میں جو اب یتیم ہو گئی ہیں؟ میں جب بھی ان سے ملی وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ انہیں زندہ رہنے کا موقع چاہیے تا کہ وہ دوسروں کو پڑھاتے رہیں اور اپنی بیٹیوں کے ساتھ ہوں۔ لیکن ان کی پھانسی نے ان سے یہ موقع چھین لیا۔

مجھے وہ جگہ دکھائی گئی جہاں قیدی پھانسی سے قبل اپنی وصیت لکھتے ہیں۔ اس سے مجھے خیال آیا کہ خضر حیات، جو

آپ اندازہ نہیں کرسکتے کہ جب پھانسی گھاٹ کا پٹ کھلتا ہے تو کتنے دلوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ پشاور میں آرمی پبلک سکول پر حملے کے بعد دسمبر **2014** میں پاکستان نے پھانسیوں پر سے پابندی اٹھانے کا فیصلہ کیا اور اس وقت سے ایمنسٹی انٹرنیشنل نے **190** پھانسیاں ریکارڈ کی ہیں اور رمضان میں عارضی بندش کے بعد پھانسیوں کی 'کنویئر بیلٹ' دوبارہ چل پڑی ہے۔

سنگین ذہنی کیفیت کا شکار تھا، اپنی وصیت لکھنے کے بارے میں کیا سوچے گا اور کیا اسے اس کے لیے مدد درکار ہوگی۔ خضر حیات کو 28 جولائی کو پھانسی دی جانی تھی جو آخری لمحات میں لاہور سیشن کورٹ کے جج نے جیل حکام سے اس کی دماغی کیفیت کے بارے میں مزید معلومات فراہم کرنے کا حکم دیتے ہوئے روک دی۔ صدر کے دفتر میں رحم کی زیرِ غور اپیل بھی خضر حیات کو پھانسی کے پھندے سے بچا سکتی ہے۔

اس سال پاکستان میں پھانسی دیے جانے والوں میں 16 سالہ محمد افضل بھی شامل تھے۔ پھانسی سے قبل جب محمد افضل سے اس کے آخری خواہش دریافت کی گئی تو اس نے ایک شخص کو چوری کے دوران مارنے کا اعتراف کیا لیکن اس غربت کا بھی ذکر کیا جس میں وہ پلا بڑھا۔

اس نے دعوی کیا کہ جس پولیس افسر نے اسے گرفتار کیا ساٹھ ہزار روپے کی رشوت کے عوض اس کے خلاف دہشت گردی کا مقدمہ نہیں بنائے گا لیکن اس کا خاندان بہت غریب تھا اور یہ پیسے نہیں ادا کر سکا۔ دہشت گردی کی آڑ میں اور کتنوں کو پھانسی دی گئی ہے محض اس وجہ سے کہ ان کے پاس پیسے نہیں تھے۔

ایک اور زندگی چار اگست کو ختم ہوئی ہے اور وہ ہے شفقت حسین کی۔ اسے 2004 میں سزا سنائی گئی تھی۔ اس کے وکلاء کا کہنا ہے کہ تشدد کے ذریعے حاصل کیا گیا 'اقبالی بیان' اس کی سزا کی بنیاد تھا اور یہ کہ مبینہ جرم کے وقت وہ کم عمر تھا۔ جیسے کہ یہ کہانیاں غمناک ہیں وہیں اس پر بھی غور کرنا چاہیے کہ سزائے موت کے حق میں دلائل کتنے کمزور ہیں۔ اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ پشاور سکول حملے کی ناقابل فہم سنگینی کے بعد ایک زبردست ردعمل کی ضرورت تھی۔ اس کے ذمہ داروں کو سزا ملنی چاہیے لیکن سزائے موت جرائم یا دہشت گردی پر قابو پانے کا حل نہیں۔ اس سلسلے میں کوئی شواہد نہیں کہ جرائم روکنے کے لیے سزائے موت قید سے زیادہ موثر ہے۔ یہ بات عالمی سطح پر بشمول اقوام متحدہ کے کیے جانے والے بہت سے جائزوں میں ثابت ہوئی ہے۔ اس کے برعکس سپرٹنڈنٹ نے اس دن جو کہا اس نے مجھے سوچنے پر مجبور کیا کہ آیا اس کا الٹا اثر ہوتا ہے۔ جب لشکر جھنگوی کے شدت پسند کو سزائے موت دی گئی گلیوں میں یہ چرچا تھا کہ اس تنظیم نے اس 'شہادت' کی خوشی میں مٹھائی تقسیم کی یعنی سزائے موت کو بھرتی کے ذریعے کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ پاکستان میں جو چیز سزائے موت کے استعمال کو مزید تکلیف دہ بناتی ہے وہ ہے منصفانہ عدالتی سماعت کے حق کی خلاف ورزی۔ نظام انصاف کمزوریوں سے اٹا ہوا ہے، ملزمان اکثر وکیل تک مناسب رسائی نہیں رکھتے، سزائیں تشدد کے ذریعے حاصل کیے گیے 'شواہد' کی بنیاد پر دی جاتی ہیں، کرپشن کا راج ہے، وہ گروپس جیسے کہ کم عمر اور ذہنی امراض میں مبتلا افراد جنھیں بین الاقوامی قوانین کے تحت تحفظ حاصل ہے، سزائے موت دی جاتی ہے۔ پاکستانی حکام دوبارہ اس سوچ سے سزائے موت پر پابندی عائد کریں کہ اسے حتمی طور پر ختم کر دیا جائے گا۔ جب وہ لوگ جیسے کہ وہ سپرٹنڈنٹ جو پھانسیوں کی تلخ حقیقت دیکھنے پر مجبور ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ظالمانہ، غیر انسانی اور بے عزتی پر مبنی سزا ہے، تو یہ موزوں وقت ہے کہ حکومت یہ اقدام کرے اور زندگی کے حق پر اس جاری یلغار کو ختم کرے۔

پولیو کے دو مزید کیسز

بلوچستان/خیبرپختونخوا بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں پولیو کے دو مزید کیسز سامنے آنے کے بعد رواں سال ملک بھر میں ان کی تعداد 34 ہو گئی ہے۔ واضح رہے کہ گزشتہ سال کے پہلے 9 ماہ میں 214 پولیو کیسز رپورٹ ہوئے تھے۔ قومی ادارہ صحت کے ایک عہدیدار کا کہنا ہے کہ حالیہ سامنے آنے والے پولیو کے کیسز پشاور میں ایک سالہ بچی جبکہ کوئٹہ میں 3 سالہ بچہ کی معذوری کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ رواں سال 14 پولیو کیسز خیبر پختونخوا سے، 10 وفاق کے زیر انتظام علاقے فاٹا سے، 6 بلوچستان اور 4 سندھ سے رپورٹ ہوئے ہیں جبکہ پنجاب سے ایک بھی پولیو کیس سامنے نہیں آیا ہے۔ نیشنل ایمرجنسی آپریشن سیل (این ای او سی) کے سربراہ ڈاکٹر رانا صفدر کا کہنا ہے کہ کوئٹہ کے متاثرہ بچے کو پولیو کی 7 بار جبکہ پشاور کی متاثرہ بچی کو پولیو کی 5 بار ویکسینیشن فراہم کی گئی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں بچوں کو ویکسین فراہم کی جا رہی ہے تاہم ان دونوں بچوں میں یہ مرض غذائی قلت کی وجہ سے پیدا ہونے والے قوت مدافعت کی کمی کے باعث پیدا ہوا ہے۔

انھوں نے کہا کہ ایسا ہی ایک کیس بنگلہ دیش میں بھی سامنے آیا ہے جس میں ایک بچے کو 10 بار پولیو ویکسینیشن فراہم کی گئی تھی تاہم وہ پولیو وائرس کا شکار ہو گیا۔ ایمرجنسی آپریشن سیل (ای او سی) کے بلوچستان سے تعلق رکھنے والے ایک عہدیدار کے مطابق صوبے میں سامنے آنے والا حالیہ پولیو کیس جس بچے میں رپورٹ ہوا ہے اس کی شناخت نقیب اللہ ولد حاجی ستار کے نام سے ہوئی ہے جو کہ کوئٹہ کے بائی پاس روڈ کے علاقے قلعی بارکزئی کا رہائشی ہے۔ یہ بلوچستان میں رواں سال سامنے آنے والے پولیو کا چھٹا کیس ہے جن میں سے ایک لورالائی، ایک قلعہ عبداللہ اور 4 کوئٹہ سے سامنے آئے ہیں۔ خیال رہے کہ انسداد پولیو کی 3 روزہ مہم رواں ماہ کے وسط میں مکمل کی گئی ہے جبکہ آئندہ کی مہم اکتوبر کے وسط میں شروع کی جائے گی۔ ای او سی کے ترجمان کے مطابق گزشتہ مہم کے دوران کوریج کو بہتر بنایا گیا تھا اور 'ہم صورت حال کو بہتر بنانے کی کوشش کر رہے۔

(نامہ نگار)

دو بم دھماکوں میں پچاس افراد ہلاک

پارا چنار پولیٹیکل ایجنٹ کے دفتر میں محرر اسفندیار کے مطابق دھماکا ٹائم ڈیوائس کے ذریعے دن ساڑھے بارہ بجے کیا گیا تاہم ابھی تک کسی تنظیم کی جانب سے اس دھماکے کی ذمہ داری قبول نہیں کی گئی۔ ان کا کہنا تھا کہ سماجی رابطوں کی ویب سائٹس پر انصار المجاہدین اور لشکرِ جھنگوی کی جانب سے اس حملے کی ذمہ داری قبول کیے جانے کی خبریں موصول ہوئی ہیں تاہم انتظامیہ ابھی ان خبروں کی تصدیق نہیں کر سکتی اور واقعے کی تحقیقات جاری ہیں۔ پولیٹیکل انتظامیہ کے مطابق زخمیوں میں تین بچے بھی شامل ہیں۔ اس سے قبل پارہ چنار سے رکن قومی اسمبلی ساجد حسین توری نے بی بی سی سے گفتگو کرتے ہوئے تصدیق کی کہ 'اب تک دھماکے میں انھیں 22 افراد کی ہلاکت کی اطلاع دی گئی ہے۔ اور 60 سے زائد افراد زخمی ہیں جن میں بعض کی حالت تشویش ناک بتائی جاتی ہے۔' پولیٹیکل انتظامیہ کا کہنا ہے کہ ہلاک شدگان کا تعلق شیعہ مسلک سے تھا اور ان کی تدفین کر دی گئی ہے تاہم ساجد حسین توری کا کہنا ہے کہ سنی مسلک سے تعلق رکھنے والے افراد بھی اس حملے میں نشانہ بنے۔ رکن قومی اسمبلی ساجد حسین توری نے کہا کہ دھماکا کھلے میدان میں ہوا ہے جہاں گرم کپڑوں اور سویٹروں کی چھوٹی چھوٹی دوکانیں تھیں اور جس وقت دھماکہ ہوا اس وقت وہاں خریداروں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ زخمیوں کو ایجنسی ہیڈ کوارٹر ہسپتال اور دیگر نجی طبی مراکز میں منتقل کیا گیا ہے جہاں بعض کی حالت تشویش ناک بتائی جاتی ہے۔ ایم این اے نے مزید بتایا کہ ہلاک ہونے والے افراد کی لاشیں مرکزی اور دیگر امام بارہ گاہوں میں پہنچائی گئی۔ انھوں نے کہا کہ بظاہر لگتا ہے کہ یہ دہشت گردی کا واقعہ ہے جس کا نشانہ پارہ چنار کے عام شہری تھے۔ انھوں نے کہا کہ پارہ چنار میں گزشتہ دو سال سے امن تھا اور علاقے میں حالات کافی حد تک بہتر ہو گئے تھے۔ ابھی تک کسی تنظیم کی جانب سے اس حملے کی ذمہ داری قبول نہیں کی گئی۔ خیال رہے کہ کرم ایجنسی فرقہ وارانہ جھڑپوں کی وجہ سے انتہائی حساس علاقہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں ماضی میں فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے ہزاروں لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس ایجنسی میں شدت پسند تنظیمیں بھی متحرک رہی ہے تاہم علاقے میں گذشتہ کچھ سالوں سے امن قائم تھا جس کی وجہ سے حالات کافی حد تک بہتر ہو گئے تھے۔ (بی بی سی اردو)

'کم عمر کی پھانسی' پر یورپی یونین کا اظہار تشویش

اسلام آباد پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر سرگودھا کی جیل میں قتل کے مجرم انصر اقبال کو پھانسی دیے جانے پر یورپی یونین نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔ انصر اقبال کے ورثا اور وکیل کا کہنا تھا کہ جرم کے وقت ان کی عمر 15 برس تھی اس لیے انھوں نے ان کی سزائے موت ختم کرنے کی درخواست کی تھی۔ پاکستان میں یورپی یونین کے مشن نے ایک بیان میں کہا ہے کہ 'اس پھانسی سے پاکستان میں مبینہ طور پر کم عمری میں کیے جانے والے جرائم پر موت کی سزا دینے کے واقعات میں اضافہ ہوا ہے۔' بیان میں کہا گیا ہے کہ عدالت نے مبینہ طور پر جرم کے وقت انصر اقبال کی عمر کے متعلق نئے شواہد پر غور کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ یورپی یونین کے وفد نے کہا ہے کہ 18 برس سے کم عمر افراد کے ہاتھوں ہونے والے جرائم پر موت کی سزا دینا نہ صرف پاکستان کے قوانین کے خلاف ہے بلکہ سول اور سیاسی حقوق کے متعلق بین الاقوامی قانون اور بچوں کے حقوق کے متعلق عالمی کنونشن کے بھی خلاف ہے جس پر پاکستان نے دستخط کر رکھے ہیں۔ یورپی یونین نے زور دیا ہے کہ پاکستان اس بات کو یقینی بنائے کہ کسی بھی سزا یافتہ شخص کی عمر کے متعلق بیانات کو جامع اور غیر جانبدارانہ عدالتی تحقیقات کے ذریعے جانچا جائے اور اسکے متعلق تمام شواہد کا جائزہ لیا جائے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ یورپی یونین تمام مقدمات میں موت کی سزا کے خلاف ہے اور وہ مسلسل اس کی عالمی اہمیت پر زور دیتا رہی ہے۔ یورپی یونین نے پاکستان سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنی عالمی ذمہ داریوں کا احترام کرے، پھانسیوں پر عائد پابندی بحال کرے اور پہلے مرحلے میں موت کی سزا پانے والے تمام قیدیوں کو عمر قید میں تبدیل کرے۔ پاکستان نے گذشتہ سال دسمبر میں پشاور کے آرمی پبلک سکول پر دہشت گرد حملے کے بعد پھانسیوں پر عملدرآمد پر عائد پابندی ختم کر دی تھی۔ پہلے مرحلے میں یہ پابندی صرف دہشت گردی کے مقدموں میں موت کی سزا پانے والے قیدیوں کے لیے ختم کی گئی تھی مگر بعد میں اسے مکمل طور پر ہٹا لیا گیا۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں کہتی ہیں کہ پچھلے نو ماہ میں پھانسی پانے والوں کی اکثریت ان لوگوں کی ہے جنھیں دہشت گردی کے بجائے دوسرے مقدموں میں موت کی سزا سنائی گئی تھی۔

(بی بی سی اردو)

کیا کالاباغ ڈیم کی تعمیر کا مطالبہ بغیر پانی کی تقسیم کے ممکن ہے؟

بختیار آغا

تنازعات سے گھرے اس ملک میں ایک بار پھر ایک انتہائی متنازعہ ڈیم کو پنجاب کی اکثر سیاسی جماعتوں اور مقتدر حلقوں کی جانب سے اچھالا جا رہا ہے اور اس سارے ہنگامے میں وفاق سے متعلق مقتدر حلقے خاموشی اختیار کر کے اس ایشو کو مزید بڑھاوا دینے کا سبب بن رہے ہیں جس کے باعث چھوٹے صوبوں خصوصاً خیبر پختونخوا اور سندھ کے عوام کی بے چینی میں تسلسل سے اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس ڈیم کے حق اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اس تحریر میں اس بات کا جائزہ لینا مقصود ہے کہ چاروں صوبوں کے مابین پانی کی تقسیم کے بغیر کسی ڈیم کی تعمیر ممکن ہے؟

یہ مسئلہ تمام صوبوں سے متعلق ہے اور اس مسئلے کے حل کے لیے آئینی طور پر ایک ادارہ مشترکہ مفادات کی کونسل کی شکل میں موجود ہے۔ یہاں پھر ایک بڑا سوال سر اٹھائے کھڑا ہے کہ اس ڈیم کے تعمیر کیے جانے یا اس کے برعکس اس بنیادی مسئلے کو حل کرنے کے لیے کبھی اس ادارے میں کوئی سنجیدہ کوشش کی گئی جس میں اس بات کا تخمینہ بھی لگایا جانا از حد ضرور ہو گا کہ مجوزہ ڈیم کے لیے مطلوبہ مقدار میں پانی بھی دستیاب ہو گا؟ ان تمام سوالات اور اس سے جڑے دیگر معاملات کا اندازہ ذرا ہمیں تھوڑا سا ماضی میں جھانک کر کرنا ہو گا۔

پانی کی تقسیم بارے مسئلہ کی تاریخ خاصی پرانی لیکن دلچسپ بھی ہے۔ 1935ء میں حکومت ہند نے اس تنازعہ کے لیے ایک انڈس کمیٹی تشکیل دی جس کے سربراہ سر ایف اینڈرسن تھے۔ 1937ء ہی میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جج مسٹر بی راؤ کی سربراہ میں کمیشن قائم کیا گیا۔ راؤ کمیشن نے اپنی رپورٹ 1942ء میں پیش کی جس میں کہا گیا کہ صوبہ پنجاب اور سندھ میں براہ راست مذاکرات کی صورت میں طے پایا کہ دریاؤں کے پانی کو اس تناسب سے تقسیم کیا جائے کہ غازی گھاٹ کے مقام پر صوبہ سندھ کو 75 فیصد پانی ملے گا اور پنجاب بقیہ 25 فیصد پانی کا حق دار۔ ون یونٹ کی تنسیخ تک اس فارمولے پر عملدرآمد ہوتا رہا۔ اس معاہدہ کا ڈرافٹ حکومت پنجاب کے چیف انجینئر نے تیار کیا تھا اور حکومت سندھ اس کی تمام شقوں سے متفق تھی۔ البتہ پنجاب کی جانب سے سندھ کو ادائیگیوں کے تناسب بارے اختلاف تھا۔ اس معاہدہ پر پنجاب کی جانب سے اس وقت کے چیف منسٹر نواب مظفر حسین قزلباش اور سندھ کی جانب سے خان بہادر محمد ایوب کھوڑو نے دستخط کیے تھے۔

پنجاب کے حوالے سے چھوٹے صوبوں کی شکایات اور عہد شکنی کے الزامات ہمیشہ سے بڑی شدید نوعیت کے رہے ہیں۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ سندھ کو پنجاب کے مشرقی دریاؤں سے ایک قطرہ پانی نہیں مل رہا جبکہ دریائے سندھ سے سندھ کو پچاس فیصد سے بھی کم پانی دیا جا رہا ہے۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد اپریل 1948ء میں بھارتی پنجاب نے پاکستانی پنجاب کے بعض اضلاع کو سیراب کرنے والی اپر باری دوآب اور فیروز پور ہیڈ ورکس سے نکلنے والی نہروں کا پانی بند کر دیا جس کے بعد مئی کے اوائل میں باہمی گفت وشنید کے عمل میں پاکستانی وفد نے بعض ایسی شرائط تسلیم کر لیں جن سے کہ پنجاب کے مشرقی دریاؤں ستلج، بیاس اور راوی کے پانیوں پر بھارت کا حق تسلیم کر لیا گیا۔ ان دریاؤں کا پانی صوبہ سندھ کے بھی کام آتا تھا جس سے سندھ کے مفادات کو بھی نقصان پہنچا۔ پاکستانی وفد کے سربراہ اس وقت کے مرکزی وزیر خزانہ ملک غلام محمد تھے۔ ان کے علاوہ ممتاز خان دولتانہ اور سردار شوکت حیات خان بھی وفد میں شامل تھے۔ ان تینوں کا تعلق پنجاب سے تھا لہٰذا ان کی زیادہ توجہ صوبہ پنجاب کی زمینوں کے لیے پانی کی دستیابی کی جانب رہی اور سندھ کو پہنچنے والے نقصان کی جانب کوئی توجہ نہ دی گئی۔ اگر اس سارے معاملے کا بغور جائزہ لیا جائے تو سندھ طاس منصوبے کی بنیاد ان تینوں حضرات نے بلا سوچے سمجھے عجلت میں اس معاہدے ہی میں رکھ دی تھی جس کی باقاعدہ منظوری ملک کے پہلے فوجی حکمران فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے سویلین حکومت کا تختہ الٹنے کے فوراً بعد دے دی جس کی گارنٹی عالمی بینک نے دی اس شرط کے ساتھ کہ پاکستان ایک مقررہ مدت کے اندر پاکستان کو ملنے والے مغربی دریاؤں یعنی سندھ، چناب اور جہلم پر ڈیم تعمیر کر کے اس ذخیرہ آب سے اپنے آب پاشی کے نظام کو نئے سرے سے ترتیب دے گا اور ان سے توانائی بھی حاصل کر سکے گا اور اس مقصد کے لیے طویل المدتی آسان شرائط پر قرضے بھی فراہم کیے۔ اس حوالے سے جہلم پر منگلا اور سندھ پر تربیلا ڈیم کی تعمیر 70 کی دہائی کے اوائل میں مکمل ہو گئی۔ ان دو ڈیموں کے بعد راوی چین ہی چین لکھتا ہے جس کی وجہ سے آج بھارت ان مغربی دریاؤں پر دھڑا دھڑ ڈیم تعمیر کیے جا رہا ہے۔ وہ اس لیے کہ ہم عالمی بینک کی نگرانی میں طے پا جانے والے معاہدے کی شرائط کو پورا نہیں کر پا رہے اور جذباتی فضا پیدا کر کے اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ ہماری اس چیخ پکار کو عالمی عدالت انصاف متعدد بار مسترد کر چکی ہے۔ اس کی وجہ بالکل صاف ہے کہ ہم ابھی تک اپنے مابین پانی کی تقسیم کا مسئلہ حل نہیں کر پا رہے۔

> بھٹو دور کے سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن جو کہ پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں اور ان کا تعلق بھی پنجاب سے ہے اور اسی طرح ان ہی کے دور کے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ جو کہ ایک معروف قانون دان کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں، ان دونوں کا کہنا ہے کہ دریاؤں کے پانی پر ریپیرین رائٹس (Riparian rights) کا قانون لاگو ہوتا ہے۔ کوئی ملک یا قوم اس کے طے شدہ امور کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ دریائے سندھ سے دس ملین ایکڑ فٹ پانی کا سمندر میں گرایا جانا لازمی ہے ورنہ دس پندرہ سال میں سمندر کوٹری بیراج، ٹھٹھہ اور بدین تک آن پہنچے گا۔

مئی 1968ء میں مرکزی حکومت نے اس دیرینہ مسئلے کے حل کے لیے اختر حسین کمیٹی قائم کی۔ اس کمیٹی میں صرف ایک سندھی ممبر تھا جب کہ آخری وقت میں دو اور سندھی ممبران کو کمیٹی کا حصہ بنا لیا گیا۔ اس شمولیت کے باوجود پندرہ سے زیادہ ممبران کا تعلق صوبہ پنجاب سے تھا۔ کمیٹی نے دو سال تک کام کیا اور 30 جون 1970ء کو اس وقت کے فوجی صدر جنرل یحییٰ خان کو اپنی رپورٹ پیش کر دی جبکہ اسی روز ون یونٹ کو بھی توڑ دیا گیا اور اس رپورٹ کو دیکھے بغیر اکتوبر 1970ء میں اس وقت کے چیف جسٹس آف پاکستان مسٹر فضل اکبر خان کی سربراہی میں نئی کمیٹی قائم کر دی گئی۔ اس کمیٹی نے نومبر 1971ء میں رپورٹ مرتب کر کے صدر پاکستان کو پیش کر دی۔ لیکن اس وقت جنرل یحییٰ کا اقتدار غیر یقینی صورتحال کا شکار ہو چکا تھا۔ لہٰذا یہ رپورٹ بھی سرد خانے کا شکار ہو گئی۔

یہ درست ہے کہ ستلج، بیاس اور راوی کے پانیوں سے پاکستان جنرل ایوب خان کے دور میں ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا لیکن اس حقیقت سے بھی چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ ملک غلام محمد، میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات نے نہایت ہی عجلت میں صرف پنجاب کے آب پاشی کے نظام کو بچانے کے لیے 1948ء ہی میں اس کی بنیاد رکھ دی تھی۔ اگر یہ تینوں حضرات اس وقت اس کوتاہ اندیشی کا مظاہرہ نہ کرتے تو سندھ طاس معاہدہ کے تحت صورتحال مختلف ہو سکتی تھی۔

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم اپنے اقتدار کے ابتدائی دور

میں اس مسئلہ کو حل کرانے کی پوزیشن میں تھے لیکن بوجوہ انہوں نے اسے لٹکانے میں ہی عافیت سمجھی اور آئین کی دفعہ 103 کا سہارا لیتے ہوئے اسے مشترکہ مفادات کی کونسل کے حوالے کر دیا۔ کونسل اس تنازعہ کو ان کے پورے دور حکومت میں حل کرنے میں ناکام رہی۔ کونسل کے رویے کو دیکھتے ہوئے جناب بھٹو صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ اسی آئین کے تحت اس مسئلہ کو چاروں صوبوں کے چیف جسٹس صاحبان کے حوالے کر دیتے۔ ایسا ہوا لیکن بعد از خرابی بسیار یعنی مارچ 1977ء میں ایک نیا کمیشن قائم کیا گیا جس میں چاروں صوبوں کے چیف جسٹس صاحبان، صوبائی چیف انجینئرز، وفاقی وزیر برائے پانی وبجلی بطور ممبران اور چیف جسٹس آف پاکستان کو اس کمیشن کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ سنجیدگی کا عالم ملاحظہ ہو کہ 1977ء میں تشکیل شدہ اس کمیشن کا پہلا اجلاس فروری 1980ء میں منعقد ہوا۔ اس دوران ملک میں کئی آئینی اور سیاسی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ سویلین حکومت کی جگہ جابرانہ فوجی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اس اتھل پتھل میں اس کمیشن کے ممبران بھی پہلے والے نہ رہے۔ کمیشن کے سربراہ بھی تبدیل ہوتے رہے۔ آخری خبریں آنے تک اس کے آخری سربراہ چیف جسٹس حلیم تھے۔ اس کمیشن کی کارروائی یا سفارشات ابھی تک عوام سے پوشیدہ ہیں۔ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ اس کمیشن نے 1983ء میں اپنی رپورٹ جنرل ضیاء الحق کو پیش کر دی تھی لیکن جنرل صاحب کی ترجیحات کچھ اور تھیں لہٰذا اس رپورٹ کو منظر عام پر نہ آنے دیا گیا۔ اور یہ مسئلہ آج تک جوں کا توں چلا آ رہا ہے۔

سندھ آبادگار بورڈ کے سابقہ وائس چیئرمین ڈاکٹر فدا حسین کا استدلال ہے کہ انڈس اریگیشن کمیشن (1901-1903) اور کاٹن کمیشن رپورٹ 1919ء میں آبپاشی کے لیے سندھ کے جائز حصہ کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ 1925ء میں وائسرائے ہند لارڈ ریڈنگ نے پنجاب کے اس مطالبہ کو یکسر مسترد کر دیا تھا جس میں پنجاب نے ٹھٹھہ نہر سے اپنے لئے پانی کا مطالبہ کیا تھا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اس تنازعہ کو حل کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ پانی کی تقسیم 1945ء کے معاہدے کے مطابق کی جائے۔ بھٹو دور کے سابق وزیر خزانہ ڈاکٹر مبشر حسن جو کہ پیشے کے لحاظ سے انجینئر ہیں اور ان کا تعلق بھی پنجاب سے ہے اور اسی طرح ان ہی کے دور کے وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ جو کہ ایک معروف قانون دان کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں، ان دونوں کا کہنا ہے کہ دریاؤں کے پانی پر ریپیرین حقوق (Riparian rights) کا قانون لاگو ہوتا ہے۔ کوئی ملک یا قوم اس کے طے شدہ امور کی خلاف ورزی نہیں کر سکتی۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ دریائے سندھ سے دس ملین ایکڑ فٹ پانی کا سمندر میں گرایا جانا لازمی ہے ورنہ دس پندرہ سال میں سمندر کوٹری بیراج، ٹھٹھہ اور بدین تک آن پہنچے گا۔

صوبہ خیبر پختونخوا کے دریاؤں، ندی نالوں اور دیگر ذرائع کا کم از کم 30 ہزار کیوسک فٹ پانی دریائے سندھ میں شامل ہوتا ہے۔ جب کہ اس پانی کے عوض ایک تہائی یعنی 10,762 کیوسک فٹ کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ جنوبی خیبر پختونخوا کے اضلاع خصوصاً ڈیرہ اسماعیل خان کی بنجر زمینوں کو سیراب کیا جا سکے لیکن صوبہ کو صرف اٹھارہ ہزار کیوسک فٹ پانی دیا جا رہا ہے۔ اگر صوبہ کا مطالبہ مان لیا جائے تو صرف ڈیرہ اسماعیل خان کی گیارہ لاکھ ایکڑ زمین زیر کاشت لائی جا سکتی ہے جس سے یہ پسماندہ صوبہ غذائی لحاظ سے خودکفیل ہو سکتا ہے۔ طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ دریائے سندھ پر باندھا جانے والا تربیلا ڈیم خیبر پختونخوا کی سرزمین پر واقع ہے لیکن اس ڈیم سے ایک بوند پانی بھی صوبہ کو نہیں دیا جا رہا۔

دریائے سندھ کی پانی کی تقسیم کا مسئلہ ابھی تک حل طلب ہے اور اسے عارضی بنیادوں پر چلایا جا رہا ہے۔ کبھی ایک صوبے کے حصہ میں کمی کر کے وقت کو ٹالا جاتا ہے تو کبھی دوسرے کے حصہ میں اضافہ کر کے اشک شوئی کا سامان کیا جاتا ہے لیکن حکمران ٹولے کو اس مسئلے کی سنگینی کا احساس بالکل نہیں ہے۔ پاکستان کے حکمرانوں اور نوکر شاہی کی لاپروائیوں اور غیر ذمہ داری کی ایک لمبی تاریخ ہے جس کا ذکر اس تحریر میں موجود ہے۔ یہ امر نہایت حوصلہ شکن اور اندوہناک ہے کہ عدلیہ کا کام عدل اور انصاف کے ذریعے توازن قائم کرنا ہوتا ہے جبکہ موجودہ صورتحال کا ذمہ دار عدلیہ کا آخری کمیشن ہے۔ جس نے کمیشن تشکیل پانے کے تین سال تک اجلاس تک بلانے کی تکلیف گوارا نہ کی اور پھر سفارشات مرتب کرنے میں مزید چار سال کا عرصہ لگا دیا۔ اسی دوران موسمی تغیر وتبدل سے تربیلہ ڈیم کا ذخیرہ آب اور دریائے سندھ کے پانی کا بہاؤ متاثر ہوتا رہا لیکن کمیشن نے اس جانب توجہ کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ بات دریائے سندھ پر کالا باغ کے شہر سے ذرا پرے ڈیم کی تعمیر کا ہے جس کے لئے چولستان کے صحرا میں خریدی گئی یا تحفہ میں ملنے والی زمینوں کے لئے مقتدر حلقوں کو پانی کی فراہمی کا مسئلہ ہے جو کالا باغ ڈیم ہی سے ممکن ہے۔ عام تخمینہ کے مطابق اس ڈیم میں زیادہ سے زیادہ 9 . 6 ملین ایکڑ فٹ پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہوگی اور 3,400 میگاواٹ بجلی پیدا کی جا سکے گی۔ گزشتہ 76 سال کے اعداد و شمار کو دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دریائے سندھ میں پانی کے بہاؤ کی سالانہ اوسط 142.24 ملین ایکڑ فٹ ہے جب کہ اس پانی کے خرچ کی تفصیل پر نظر ڈالی جائے تو کالا باغ ڈیم میں مطلوبہ پانی ہی ذخیرہ کرنے کے لیے دستیاب نہیں ہے۔ جس کا بریک اپ کچھ یوں ہے۔

1۔ دریا میں پانی کی سالانہ اوسط مقدار۔۔۔142.24 ملین ایکڑ فٹ

2۔ پانی کے بخارات اور زمین میں جذب ہونے کی مقدار۔۔۔14.24 ملین ایکڑ فٹ

3۔ پانی کے موجودہ اور 2020 تک متوقع استعمال۔۔۔1,200 ملین ایکڑ فٹ

4۔ سندھ میں پانی کی ضرورت، بڑے شہروں میں برائے استعمال، صنعتی ضروریات اور دیگر اخراجات کے لئے پانی کی مقدار۔۔۔15.00 ملین ایکڑ فٹ

5۔ کل میزان۔۔۔141.44 ملین ایکڑ فٹ

6۔ بقیہ پانی 1.00 ملین ایکڑ فٹ

کیا اس ایک ملین ایکڑ فٹ پانی سے چولستان کے صحرا کو نخلستان میں بدلا جا سکتا ہے اور اس قلیل مقدار سے مطلوبہ مقدار میں بجلی حاصل کی جا سکتی ہے؟ کالا باغ ڈیم کے حامی ایسا کہتے ہوئے شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ اس ڈیم کی سائٹ کوہستان نمک سے گھری ہوئی ہے۔ جب یہ نمک ملا پانی زمینوں تک پہنچے گا تو اس زمینوں کی بربادی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ رہ گیا بجلی کا حصول تو اس حوالے سے تو ٹیکنالوجی اتنی ترقی کر چکی ہے کہ رن آف واٹر پر ٹربائنز لگا کر سستی بجلی حاصل کی جا سکتی ہے۔ بر سبیل تذکرہ سستی پن بجلی تو آج بھی بونیر، سوات، شانگلہ، دیر اور چترال میں دستیاب ہے جہاں دیہاتی لوکل ٹربائنز لگا کر اپنے علاقوں کو روشن کئے ہوئے ہیں اور اس بجلی سے مستفید ہونے والے لوڈشیڈنگ کے نام سے بھی واقف نہیں ہیں۔

میاں نواز شریف صاحب اس فیڈریشن کی آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑی اکائی سے منتخب ہو کر آئے ہیں اور اب تک کا ان کا طرز سیاست مفاہمت کا سا ہے۔ ان کے لیے قومی ہم آہنگی پیدا کرنا مشکل امر نہیں ہے۔ یہ بجا کہ ان کا پاور بیس پنجاب ہے اور کالا باغ ڈیم کے حق میں آوازیں بھی صرف پنجاب ہی سے اٹھ رہی ہیں لیکن اس مسئلہ پر کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت ان کے پیش نظر یہ بات ضروری ہونی چاہئے کہ فیڈریشن آف پاکستان کی بقیہ تین اکائیاں اس ڈیم بارے کیا نقطہ نظر رکھتی ہیں؟ اور ضروری ہے کہ وفاق کے ان تینوں یونٹوں کے تحفظات اور ان کو پہنچنے والے ممکنہ نقصانات کو سنجیدگی سے لیا جائے اور اس کے لئے اولین شرط ایڈہاک ازم ترک کر کے دریائے سندھ کے پانی کی تقسیم کو منصفانہ طور حل کرنا ہے۔

(مصنف عوامی ورکرز پارٹی خیبر پختونخوا کے جنرل سیکرٹری ہیں)

(بشکریہ عوامی جمہوریت لاہور)

جمہوری اداروں کی کارکردگی اور شہریوں کی نگرانی کی ذمہ داری کے موضوع پر منعقدہ ورکشاپ

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے نصیر آباد، نوشکی اور سبی میں جمہوری اداروں کی کارکردگی اور شہریوں کی نگرانی کی ذمہ داری کے موضوع پر تربیتی ورکشاپس کا انعقاد کیا جن میں مختلف مکاتب فکر کے افراد نے شرکت کی اور اظہار خیال کیا۔ ورکشاپس کی مختصر روداد ذیل میں بیان ہے۔

نصیر آباد 03 نومبر، 2015

پاکستان میں پارلیمانی جمہوریت اور قانون سازی میں عوام کی رائے کی اہمیت

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق بلوچستان چیپٹر کے زیر اہتمام ڈیرہ مراد جمالی ضلع نصیر آباد، نوشکی اور سبی میں جمہوری اداروں کی کارکردگی اور شہریوں کی نگرانی کی ذمہ داری پر ایک پروگرام منعقد ہوا جس میں سیاسی پارٹیوں کے نمائندوں، سول سوسائٹی، صحافی، وکلاء اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے شرکت کی۔ ورکشاپ کی کارروائی درج ذیل ہے۔

فرید احمد

پاکستان میں جمہوری نظام حکومت رائج ہے۔ اس پارلیمانی نظام حکومت میں مرکزی سطح پر قومی اسمبلی سینٹ اور صوبائی سطح پر صوبائی اسمبلی ہے۔ وفاق میں صدر ملک کا آئینی سربراہ ہوتا ہے۔ اور صوبائی سطح پر گورنر سربراہ ہوتا ہے۔ اور وزیر اعظم ملک کا انتظامی سربراہ ہوتا ہے۔ قومی اسمبلی اور سینٹ مرکزی سطح پر ملک کے لئے قانون سازی کرتے ہیں۔ جبکہ صوبائی سطح پر صوبائی اسمبلی یہ کام کرتی ہے۔ قانون سازی کا عمل بہت اہمیت کا حامل جو کہ ایک خاص طریقہ کار سے ہوتا ہے۔ اسمبلی میں دو قسم کے مسودات قانون یعنی سرکاری و نجی اراکین کے مسودات قانون پیش کئے جاتے ہیں۔

نجی اراکین کے مسودات قانون کا نوٹس:۔

(1) کوئی نجی رکن سیکریٹری اسمبلی کو مسودہ قانون پیش کرنے کی اجازت طلب کرنے کی تحریک پیش کرنے کا پورے دس دن کا نوٹس دے گا۔

(2) نوٹس کے ہمراہ مسودہ قانون کی تین نقول بمع بیان اغراض و وجوہ جن پر رکن کے دستخط ثبت ہوں گے مہیا کی جائیں گی۔

(3) اگر دستور کے تحت مسودہ قانون پیش کرنے کیلئے حکومت کی رضامندی یا صدر کی پیشگی منظوری ضروری ہو تو سیکریٹری کی جانب سے وزارت پارلیمانی اُمور کی وساطت سے مذکورہ رضامندی یا پیشگی منظوری جیسی بھی صورت ہو حاصل کرنے کیلئے ایک درخواست بھی منسلک کی جائے گی۔ حکومت کی رضامندی یا وزارت سے صدر کی منظوری موصول ہونے پر متعلقہ رکن کو مطلع کیا جائے گا۔

(4) اس بات کا فیصلہ اسپیکر کرے گا کہ آیا اس ترمیم پر حکومت کی رضامندی یا صدر کی پیشگی منظوری درکار ہے یا نہیں۔

(5) قومی اسمبلی سیکریٹریٹ اراکین کو ممکنہ معاونت فراہم کرے گا تا کہ مسودات قانون محض تکنیکی بنیادوں پر مسترد نہ ہوں۔

> جمہوریت کی پہلی سیڑھی ہے بالغ رائے دہی کا حق اور دوسری شفاف اور آزادانہ انتخابات۔ اب یہاں ضروری بات یہ ہے کہ سرکاری دفاتر اور حکومت وقت کا ہونے والے انتخابات پر اثر انداز ہونا جمہوریت کے استحکام کے لیے نقصان دہ ہے۔ اس کام کیلئے ویسے تو ایک محتسب ادارہ کام کر رہا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات وہ بھی حکومت وقت کے یا کچھ ایجنسیوں کے آگے بے بس اور ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

نجی اراکین کا مسودات قانون پیش کرنا:۔

(1) نجی اراکین کے مسودات قانون پیش کرنے کی اجازت طلب کرنے کی تحریک نجی اراکین کے دن کے نظام کار میں درج کی جائیں گی۔

(2) اگر کسی نجی رکن مسودہ قانون کو پیش کرنے کی اجازت طلب کرنے کی تحریک کی مخالفت کی جائے تو اسپیکر کسی مزید بحث کے بغیر سوال پیش کر سکتا ہے۔ جب اجازت دے دی جائے، تو رکن انچارج فوری طور پر مسودہ قانون پیش کرنے کی تحریک پیش کرے گا اور مسودہ قانون پیش شدہ قرار پائے گا۔ مسودہ قانون کی نقل اراکین کو فراہم کی جائے گی۔ مگر شرط یہ ہے کہ جب بل پیش کئے جانے کی مخالفت کی جائے، تو سپیکر پیش کنندہ اور اس کی مخالفت کرنے والے وزیر کو مختصر بیان دینے کی اجازت دے سکتا ہے۔

(3) قواعد ہذا کے تابع، سرکاری مسودات قانون کیلئے اختیار کردہ طریق کار کی نجی اراکین کے مسودات قانون کی بابت اسی طور پیروی کی جائے گی۔

سرکاری مسودہ قانون کا نوٹس:

کوئی وزیر کوئی مسودہ قانون پیش کرنے کا نوٹس دے گا۔ نوٹس کے ساتھ مسودہ قانون کی ایک نقل، مع بیان اغراض اور وجوہ جس پر وزیر کے دستخط ہوں گے، منسلک ہوگی۔ اگر یہ ایسا مسودہ قانون ہے کہ اسے پیش کرنے کیلئے دستور کے تحت صدر کی پیشگی منظوری ضروری ہے تو نوٹس کے ساتھ ایسی منظوری منسلک کی جائے۔ نوٹس کے ساتھ ایک تصدیق نامہ کہ آیا یہ منی بل ہے یا نہیں ہے بھی منسلک کیا جائے گا۔ وزیر مسودہ قانون پیش کرنے کی تحریک پیش کرے گا، اس پر فوراً ہی مسودہ قانون پیش شدہ قرار پائے گا۔

اس قاعدہ کی غرض کیلئے قاعدہ 170 کے ذیلی قاعدہ (1) کے تحت اسمبلی کے سامنے پیش کردہ کوئی آرڈیننس اُس دن اسمبلی میں پیش کردہ قانون متصور ہوگا جس دن اُسے اس طرح پیش کیا گیا ہو اور اگر وہ آرڈیننس ایسا ہو، جسے مسودہ قانون کے طور پر پیش کرنے کے لئے صدر کی پیشگی منظوری ضروری ہو تو اسے اسمبلی کے سامنے پیش کرتے وقت اس کے ساتھ منظوری بھی منسلک کی جائے گی۔ اس میں بیان، اغراض و وجوہ اور ایک تصدیق نامہ کہ آیا یہ منی بل ہے یا نہیں ہے، بھی کیا جاہے گا۔

عابد عزیز بلوچ

جوزف شمپیٹر نے جمہوریت کو کچھ یوں بیان کیا ہے کہ ’’ایک آزادانہ ووٹ کے لئے آزادانہ مقابلہ‘‘۔

جمہوریت کی پہلی سیڑھی ہے بالغ رائے دہی کا حق اور دوسری شفاف اور آزادانہ انتخابات۔ اب یہاں ضروری بات یہ ہے کہ سرکاری دفاتر اور حکومت وقت کا انتخابات پر اثر انداز ہونا جمہوریت کے استحکام کے لیے نقصان دہ ہے۔۔ اس کام کیلئے ویسے تو ایک محتسب ادارہ کام کر رہا ہوتا ہے لیکن بعض اوقات وہ بھی حکومت وقت کے یا کچھ ایجنسیوں کے آگے بے بس اور ناکارہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب اگر بدعنوانی کی تعریف کی جائے تو جے۔ ایس۔ نائے کے بقول ’’بد

عنوانی ایک ایسا رویہ ہے جو کہ کسی شخص کو اپنے ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے سرکاری فرائض کی ادائیگی سے دور لے جائے اور اس پر اپنا انفرادی فائدہ حاوی ہو جائے اس میں رشوت، اقربا پروری، سفارش اور مالی بے ضابطگیوں جیسے رویے شامل ہیں''۔

ڈاکٹر شکور خان کے مطابق۔ایک اچھی اور عمدہ جمہوریت کے تین بنیادی ستون ہوتے ہیں کہ جن پر وہ استوار ہوتی ہے۔

1. انتظامیہ
2. مقننہ
3. عدلیہ

اب ان تینوں میں عدلیہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے سے باقی دو اداروں پر نظر رکھتی ہے اور ان کا احتساب کرنے کی پابند ہوتی ہے۔مگر جن ممالک میں عدلیہ اور ذرائع ابلاغ حکومت کا چوتھا ستون بھی کہا جاتا ہے ان پر کوئی دباؤ اور ان کے کام میں مقتدر حکمرانوں کی طرف سے رکاوٹ پیدا کی جائے تو وہاں پر بدعنوانی اپنے عروج پر پہنچ جاتی ہے اور ایک ایک کر کے ملک کے باقی تمام ادارے بھی ڈھیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔اگر یہ تین اہم ستون مستعدی، ایمانداری اور غیر جانبداری سے اپنا کام جاری رکھیں تو جمہوریت میں بدعنوانی کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔جبکہ اس کے برعکس ان تین اداروں کی کمزوری براہ راست جمہوری طرز حکومت کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔اگر تو کسی معاشرے میں زیادہ تر تعداد پڑھے لکھے افراد اور ترقی پسند لوگوں کی ہے تو یہ سول سوسائٹی اپنا کام اس ضمن میں بہت بہترین طریقے سے سر انجام دے سکتی ہے۔لوگوں میں اگر احساس ذمہ داری موجود ہو تو وہ باشعور طریقے سے ملک میں بدعنوانی سے پاک کر کے ایک مثبت جمہوری تبدیلی لانے کا موجب بن سکتے ہیں۔

ویسے اگر پاکستان کے کیسز پر غور کیا جائے تو ہمارے ملک میں عدلیہ کے پر کافی حد تک کٹے ہوئے ہیں اور یہ عموماً سول بیوروکریسی اور ملٹری کریسی کے دباؤ کا شکار رہتی ہے۔دوسری طرف کرپٹ حکمران بھی اپنا بھرپور کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں تو بالآخر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدعنوانی جمہوریت اور جمہوریت سے باہر ہر جگہ پر ہے۔بہر حال بدعنوانی اس وقت زیادہ سرائیت کر جاتی ہے کہ جب ایک کم معیاری کی جمہوریت موجود ہو اور جہاں پر ادارے کھل کر کام نہ کر پائیں اور شخصیت پسندی اپنے عروج پر ہو سیاسی پارٹیوں کا منشور کچھ ہو اور عمل کچھ ہو، جہاں ووٹ یا تو خریدے جاتے ہوں، یا زور زبردستی سے حاصل کئے جاتے ہوں۔جہاں ہر شے بکاؤ ہو جائے۔لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ جمہوریت کی اصل روح کو سمجھ کر ادارے مضبوط اور شفاف بنا کر ملک و قوم کی سلامتی کو سامنے رکھ کر اور کرپشن سے جان چھڑا کر جمہوریت ہی کو ملک میں فروغ دیا۔

نوشکی 19 نومبر، 2015

فرید احمد

پاکستان میں جمہوری نظام حکومت رائج ہے۔اس پارلیمانی نظام حکومت میں مرکزی سطح پر قومی اسمبلی، سینٹ اور صوبائی سطح پر صوبائی اسمبلی کام کرتی ہے۔وفاق میں صدر ملک کا آئینی سربراہ ہوتا ہے۔اور صوبائی سطح پر گورنر سربراہ ہوتا ہے۔اور وزیر اعظم ملک کا انتظامی سربراہ ہوتا ہے۔قومی اسمبلی اور سینٹ مرکزی سطح پر ملک کے لئے قانون سازی کرتے ہیں۔جبکہ صوبائی سطح پر صوبائی اسمبلی یہ کام کرتی ہے۔قانون سازی کا عمل بہت اہمیت کا حامل ہے جو ایک خاص طریقہ کار سے ہوتا ہے۔ ملک میں دو قسم کے مسودات قانون یعنی سرکاری و نجی اراکین کے مسودات قانون پیش ہوتے ہیں۔

نجی اراکین کے مسودات قانون:۔

کوئی نجی رکن اسمبلی کے سیکریٹری کو مسودہ قانون پیش کرنے کی اجازت طلب کرنے کی تحریک پیش کرنے کا پورے دس دن کا پیشگی نوٹس دے گا۔

نوٹس کے ہمراہ مسودہ قانون کی تین نقول مع بیان اغراض و وجوہ جن پر رکن کے دستخط ثبت ہوں گے مہیا کی جائیں گی۔اگر دستور کے تحت مسودہ قانون پیش کرنے کیلئے حکومت کی رضامندی یا صدر کی پیشگی منظوری ضروری ہو تو سیکریٹری کی جانب سے وزارت پارلیمانی اُمور کی وساطت سے مذکورہ رضامندی یا پیشگی منظوری جیسی بھی صورت ہو، حاصل کرنے کیلئے ایک درخواست بھی منسلک کی جائے گی۔حکومت کی رضامندی یا وزارت سے صدر کی منظوری موصول ہونے پر متعلقہ رکن کو مطلع کیا جائے گا۔اس سوال کا فیصلہ اسپیکر کرے گا کہ آیا اس ترمیم پر حکومت کی رضامندی یا صدر کی ماقبل منظوری درکار رہے یا نہیں۔

قومی اسمبلی سیکریٹریٹ اراکین کو ممکنہ معاونت فراہم کرے گا تا کہ مسودات قانون محض تکنیکی بنیادوں پر مسترد نہ ہوں۔

نجی اراکین کے مسودات قانون کا پیش کرنا:۔

نجی اراکین کے مسودات قانون پیش کرنے کی اجازت طلب کرنے کی تحاریک نجی اراکین کے دن کے نظام کار میں درج کی جائیں گی۔

جب اجازت دے دی جائے تو متعلقہ رکن فوری طور پر مسودہ قانون پیش کرنے کی تحریک پیش کرے گا اور مسودہ قانون پیش شدہ قرار پائے گا۔مسودہ قانون کی نقل اراکین کو فراہم کی جائے گی۔مگر شرط یہ ہے کہ جب بل پیش کئے جانے کی مخالفت کی جائے تو اسپیکر مسودے کے محرک اور اس کی مخالفت کرنے والے وزیر کو مختصر بیان دینے کی اجازت دے سکتا ہے۔

قواعد ہذا کے تابع، سرکاری مسودات قانون کیلئے اختیار کردہ طریق کار کی نجی اراکین کے مسودات قانون کی بابت اسی طور پیروی کی جائے گی۔

سرکاری مسودہ قانون

کوئی وزیر کوئی مسودہ قانون پیش کرنے کا پیشگی نوٹس دے گا۔

نوٹس کے ساتھ مسودہ قانون کی ایک نقل، مع بیان اغراض و وجوہ جس پر وزیر کے دستخط ہوں گے، منسلک ہوگی اگر یہ مسودہ ایسا قانون ہے کہ اسے پیش کرنے کیلئے دستور کے تحت صدر کی پیشگی منظوری ضروری ہو تو نوٹس کے ساتھ ایسی منظوری منسلک کی جائے۔نوٹس کے ساتھ ایک تصدیق نامہ کہ آیا یہ منی بل ہے یا نہیں ہے بھی منسلک کیا جائے گا۔

وزیر مسودہ قانون پیش کرنے کی تحریک پیش کرے گا، اس پر فوراً ہی مسودہ قانون پیش شدہ قرار پائے گا۔

اس قاعدہ کی غرض کیلئے قاعدہ 170 کے ذیلی قاعدہ (1) کے تحت اسمبلی کے سامنے پیش کردہ کوئی آرڈیننس اس دن اسمبلی میں پیش کردہ قانون متصور ہوگا جس دن اسے اس طرح پیش کیا گیا ہو اور اگر وہ آرڈیننس ایسا ہو جسے مسودہ قانون کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور اسے پیش کرنے کے لئے صدر کی پیشگی منظوری ضروری ہوتی تو اسے اسمبلی کے سامنے پیش کرتے وقت اس کے ساتھ منظوری بھی منسلک ہوگی۔اس میں بیان، اغراض و وجوہ اور ایک تصدیق نامہ کہ آیا یہ منی بل ہے یا نہیں ہے، بھی شامل ہوگا۔

مسودات قانون کی اشاعت:۔

(1) سیکریٹری ہر ایک مسودہ قانون کو جو پیش کیا جا چکا ہو گزٹ میں جتنی جلدی ممکن ہو شائع کرائے گا۔

(2) اسپیکر کسی مسودہ قانون کے پیش کئے جانے سے قبل بیان اغراض وجوہ کے ہمراہ اس کی اشاعت کا حکم دے سکتا ہے اور اگر اسے اس طرح شائع کر دیا جائے تو اس کے پیش کئے جانے کے بعد سے دوبارہ شائع کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

مسودات قانون پر غور

قائمہ کمیٹیوں کو مسودات قانون کی سپردگی

پیش کئے جانے پر کوئی مسودہ قانون، فنانس بل کے علاوہ اس قائمہ کمیٹی کے سپرد قرار پائے گا جس کا اس مسودہ

قانون کے نفس مضمون سے تعلق ہو:

مگر شرط یہ ہے کہ وزیر تحریک پیش کرسکتا ہے کہ اس قاعدہ کی شرائط موقوف کردی جائیں اور اگر تحریک منظور ہوجائے اس مسودہ قانون پر قاعدہ 123 کی تصریحات کا اطلاق اس طرح ہوگا جیسا کہ وہ قائمہ کمیٹی سے اسی دن واپس موصول ہوسکا ہو جس دن وہ تحریک منظور کی گئی ہو۔ اس قاعدہ میں "فنانس بل" سے وہ مسودہ قانون مراد ہے جو ہر سال وفاقی حکومت کی آئندہ مالی سال کیلئے مالیاتی تجاویز کو روبہ عمل لانے کیلئے پیش کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی ایسا مسودہ قانون بھی شامل ہے جس سے اس مالی سال کے دوران کسی عرصہ کیلئے ضمنی مالیاتی تجاویز کو روبہ عمل لانا ہوتا ہے جسے منی بجٹ بھی کہا جاتا ہے۔

مسودات قانون پر غور کرنے کیلئے وقت

جب کوئی مسودہ قانون قائمہ کمیٹی کی جانب سے واپس موصول ہو یا جب اس کو واپس بھیجنے کیلئے قائمہ کمیٹی کے پاس مقررہ وقت ختم ہوجائے یا قاعدہ 122 کی شرائط کے التواء کے نتیجہ میں مسودہ قانون کمیٹی سے موصول کردہ تصور کیا گیا ہو تو مسودہ قانون کو نظام کار کیلئے رکھا جائے گا۔ سیکریٹری کمیٹی کی رپورٹ کا انتظار کئے بغیر ہر رکن کو وہ قانون کی رقم فراہم کرے گا۔

حمید کامریڈ

سب سے بہترین نظام حکومت جمہوریت ہے اور جمہوریت کے ذریعے تمام معاشرہ صحیح سمت کی طرف سفر کرتا ہے۔ دنیا نے جمہوریت سے پورے مسائل حل کرائے اور معاشرے کو انصاف دیا ہے۔ اگر آپ لوگوں کو کوئی سسٹم دینا چاہتے ہیں تو جمہوریت ہی کے ذریعے سسٹم دینا ہوگا۔ لوگ پچھلے 60 سالوں سے کافی باشعور ہوگئے ہیں۔ ہمارے ہاں جو لوگ منتخب ہوتے ہیں وہ عوام کی بجائے اپنے مفادات کو ترجیح دیتے ہیں اور عوام کیلئے کوئی خاص کردار ادا نہیں کرتے۔ ہم نے وسائل کے تحفظ کے لئے کوشش کرنی ہے۔ ملک میں ایجنسیوں کی مداخلت ہے وہ جمہوریت کو آگے نہیں بڑھنے دیتے ہیں۔

خورشید جمالدینی

ہمارا معاشرہ تعلیم یافتہ نہیں ہے۔ یہاں کنٹرولڈ جمہوریت ہے۔ سیاسی پارٹیوں نے جمہوریت کے حوالے سے عوام کو کچھ شعور دیا ہے۔ سیاسی پارٹیوں میں بھی جمہوریت نہیں ہے۔ بلوچستان میں لوگوں کو 1947 سے لیکر آج تک بم و بارود کے علاوہ کچھ نہیں ملا۔ یہاں سیاسی جماعتوں نے عوام میں اپنے وسائل اور جمہوریت کیلئے کردار ادا کیا ہے۔

ملک میں جمہوریت کی جو شکل ہے اس کو ہم جمہوریت نہیں کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ جمہوریت کی ان رویوں کو سکولوں میں شروع سے پڑھنا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلی میں ہماری آواز کو کس طرح پہنچایا جائے؟ کیونکہ جو ادارے ہیں سب کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے۔ سب کچھ پنجاب کنٹرول کررہا ہے۔ 18 ویں ترمیم منظور ہوئی صوبوں کے پاس کچھ اختیارات آگئے لیکن ان کو بھی پنجاب ختم کرانے کیلئے

> ہمارا معاشرہ تعلیم یافتہ نہیں ہے ان کو جمہوریت کی گہرائیوں پر گرفت نہیں ہے کیونکہ یہاں کنٹرولڈ جمہوریت ہے۔ سیاسی پارٹیوں نے جمہوریت کے حوالے سے عوام کو کچھ شعور دیا ہے۔

کوششیں کررہا ہے، پنجاب کے وزیراعلیٰ چائنہ اور ترکی کے ساتھ براہ راست معاہدے کرتے ہیں لیکن باقی صوبے کوئی معاہدہ نہیں کرسکتے، ملک میں قانون سازی میں لوگوں کی شمولیت تو دور کی بات ہے حکومت صرف اور صرف اپنے مفادات کو دیکھتی ہے لیکن پھر بھی ہم ملک میں اپنے منتخب نمائندوں کے توسط سے یہ درخواست کرسکتے ہیں کہ وہ قانون منظور کراتے وقت اس کا صحیح طریقے سے جائزہ لیں اس میں عوام کو بھی شامل کریں کیونکہ جمہوریت ہی میں ہماری بقاء ہے۔

شیر احمد

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اگر آپ جمہوریت لانا چاہتے ہوں تو آپ کو سب سے پہلے لوگوں کو تعلیم کے زیور سے نوازنا ہوگا۔ منتخب نمائندے اکثر بڑے شہروں میں رہتے ہیں وہ اپنے علاقوں کا دورہ نہیں کرتے۔ پھر اکثر ممبران اپنے علاقوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ لوگوں کو شعور دینے کے بعد قانون سازی میں عوام کی شمولیت ضروری ہوگی اگر لوگ تعلیم یافتہ نہ ہوں تو پھر قانون سازی کی اہمیت کم ہوجاتی ہے۔ قانون سازی کے ذریعے اختیارات کو نچلی سطح تک لایا جائے۔

عبدالشکور

ہمارے دوست نے جمہوریت اور قانون سازی کی بات کی ہے۔ ہمارے ملک میں حقیقی جمہوریت نہیں ہے۔ ریاست کے شہری کا حق ہے کہ وہ احتجاج کرسکیں اور اپنے مسائل کی آواز احتجاج کے ذریعے حکمرانوں تک پہنچا سکیں۔ احتجاج سب کا بنیادی حق ہے، میری تجویز ہے کہ قانون سازی عوام اور اراکین پارلیمان مل کر کریں تاکہ قوانین سازی میں عوام کی رائے بھی شامل ہوں۔

حافظ مطیع اللہ

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جمہوریت ہی تمام مسائل کا حل ہے۔ بلوچستان میں صورتحال تشویشناک ہے۔ عوام کو ووٹ دینے کیلئے تک محدود کردیا گیا ہے، اگر ایک دفعہ ووٹ استعمال ہوجائے تو پھر منتخب نمائندہ پانچ سال کے بعد دوبارہ ووٹ لینے کے لیے آتا ہے۔ اس ملک میں لوگوں کو اقتدار میں خفیہ ایجنسی ہی لاتی ہیں لوگ کس طرح جمہوریت پر بھروسہ کریں کیونکہ جمہوریت فوج کے ہاتھ میں یرغمال ہے۔

ظہیر بلوچ

ہمارے جمہوری نظام میں بہت زیادہ نقائص ہیں جنہیں دور کرنے کی ضرورت ہے۔ اقوام متحدہ کے ادارے میں بھی اصلاحات کی ضرورت ہے تاکہ بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کا بہتر تحفظ ممکن ہوسکے۔

نذیر صاحب

میں ایک چیز پر اتفاق کرتا ہوں کہ جمہوریت بہترین راستہ ہے لیکن منزل نہیں ہے۔ جمہوریت میں آپ کو ووٹ کے ذریعے اپنے نمائندے کو منتخب کرنا ہے۔ پسماندہ ممالک میں جمہوریت ایک راستہ ہے لیکن منزل نہیں ہے بلوچستان کی موجودہ صورت حال پر میڈیا نے کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا۔ میڈیا نے حقیقی جمہوریت کیلئے بھی کوئی خاص کردار ادا نہیں کیا۔ بلوچستان میں اجتماعی قبریں دریافت ہوئیں لیکن میڈیا نے ان کو نہیں دکھایا۔ جمہوریت میں خواتین کو مردوں کے برابر حقوق حاصل ہوتے ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں فیصلہ سازی میں خواتین اور اقلیتوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ بلوچستان اسمبلی میں خواتین کا 33 فیصد ہے لیکن کوئی وزیر نہیں ہے پاکستان تحفظ آرڈیننس یہ ہے کہ سیاسی کارکن کو بغیر وارنٹ کے اٹھایا جائے اور 90 دن تک زیر حراست رکھا جائے۔ بلوچستان میں یہ قانون 1974 سے لاگو ہیں۔ ملک کے تمام مسائل کا حل جمہوریت میں ہے لیکن ان ممالک میں جہاں تحفظ پاکستان آرڈیننس نہ ہو۔ یہاں تو جمہوریت کی کوئی اور شکل ہے۔ قومی اور صوبائی اسمبلی میں جو قانون یا بل منظور ہوتا ہے۔ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ قانون بنانے میں ان کی شراکت ضروری ہے۔ صوبہ بلوچستان کی اسمبلی میں صرف قرارداد منظور ہوتی ہیں ان پر عملدرآمد نہیں ہوتا۔ سابق اپوزیشن لیڈر کچکول علی نے بلوچستان اسمبلی میں ایک قرارداد جمع کرائی کہ منظور شدہ قراردادوں پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔

سبی 07 نومبر، 2015

فرید احمد

آج ہم سینیٹ میں کارروائی: قراردادیں' تحریکیں اور نکتہ ہائے اعتراض پر بات کریں گے کہ سینٹ کس طرح اپنی کاروائی کو انجام دیتا ہے اور اس میں کس قسم کی قانون سازی ہوتی ہے۔سینٹ ہمارے پارلیمانی نظام کا ایوان بالا ہے جس میں ملک کے تمام صوبوں کی نمائندگی برابر ہے۔اس میں ہر صوبے سے 14 جنرل رکن، 4 ٹیکنوکریٹس، 4 خواتین اراکین، 1 غیر مسلم رکن، 8 فاٹا، اور اسلام آباد 4 سے اراکین کا چناؤ ہوتا ہے۔

سینٹ میں کاروائی اور قانون سازی کا کام کچھ اس طرح سے انجام پاتا ہے۔

1۔قراردادیں جن کا ذکر دستور میں نہیں

سینیٹ کسی عوامی مفاد یا اہم معاملے کے بارے میں کسی رُکن یا وزیر کو قرارداد پیش کرنے کی اجازت دے سکتا ہے۔ قراداد پیش کرنے کیلئے ایک رُکن کو جو ذاتی طور پر قرارداد پیش کر رہا ہو، 7 دن کا اور ایک وزیر کو 3 دن کا پیشگی نوٹس دینا ہوتا ہے اور مطلوبہ قرارداد کا مسودہ فراہم کرنا ہوتا ہے۔اس امر کا فیصلہ چیئرمین کرتا ہے کہ آیا قرارداد یا اُس کا کوئی حصہ ضابطہ نمبر 121 کے تحت پیش کیے جانے کے قابل ہے یا نہیں۔دونوں کے نوٹس پر اُس دن سے پہلے جس دن قرارداد پیش کی جائے، کوئی بھی ممبر قرارداد میں ترمیم تجویز کرسکتا ہے۔قرارداد سینیٹ کی اجازت کے بغیر واپس نہیں لی جاسکتی۔ایک قرارداد پر تقریر کا وقت دس منٹ سے زیادہ نہیں ہوگا، ماسوائے چیئرمین کی اجازت کے۔متعلقہ وزیر یا رُکن 30 منٹ تک تقریر کرسکتا ہے۔ بحث مکمل ہونے پر چیئرمین قرارداد کو رائے شماری کیلئے پیش کرے گا۔اگر سینیٹ نے منظور کرلی تو اُس کی نقل متعلقہ ڈویژن کو بھیجی جائے گی۔اس کے علاوہ وہ قراردادیں ہیں جو دستور میں درج ہیں، مثلاً صدر کی برطرفی کی قرارداد اور آرڈیننسوں کی نامنظوری وغیرہ، جس کا طریقہ کار ضابطہ نمبر 131 تا 136 میں بیان کیا گیا ہے اور دستور کی متعلقہ دفعات میں بھی درج ہے۔

2۔تحاریک التواء۔ایک رُکن چیئرمین کی اجازت سے سینیٹ میں معمول کی کاروائی کے التواء کیلئے تحریک پیش کرسکتا ہے تاکہ عوامی اہمیت کے حامل فوری معاملے کو، جس کی نوعیت واضح ہو، ایوان میں زیرِ بحث لایا جاسکے۔تحریک التواء پیش کرنے کی اجازت عام طور پر اُس وقت دی جاتی ہے، جب اُس کا تعلق عوامی اہمیت کے فوری معاملے سے ہو، کسی خاص اور متعین معاملے کے بارے میں ہو، کسی تازہ ترین واقعے سے متعلق ہو اور ایسی دیگر شرائط پر پوری اترتی ہو جو سینیٹ کے ضابطہ نمبر 75 میں بیان کی گئی ہیں۔ ہر تحریک التواء کو ایوان میں پیش کرنے کی اجازت کا تعین اور فیصلہ چیئرمین کرتا ہے۔

تحریک پیش کرنے کی اجازت

اگر چیئرمین کی رائے یہ ہو کہ جو معاملہ بحث کیلئے پیش کیا جارہا ہے وہ قواعد کے مطابق درست ہے تو وہ رُکن سے پوچھے گا کہ کیا اسے تحریک پیش کرنے کیلئے ایوان کی حمایت حاصل ہے اور اگر کوئی اعتراض اٹھایا جائے تو چیئرمین ارکان سے درخواست کرے گا کہ جو ارکان تحریک کے حق میں ہیں اپنی نشستوں پر کھڑے ہو جائیں۔تحریک پیش کرنے کی اجازت مراعات کے بارے میں سوالات کے بعد، اگر کوئی ہوں، اور کارروائی کے روزنامچے میں درج دیگر امور پر بحث شروع ہونے سے پہلے مانگی جاتی ہے۔اگر سینیٹ کے کل ارکان کا ایک چوتھائی ارکان سے کم اراکین تحریک کے حق میں کھڑے ہوں تو چیئرمین متعلقہ رُکن کو مطلع کرتا ہے کہ ایوان نے اُس تحریک کو پیش کرنے کی اجازت نہیں دی۔ تاہم اگر ایک چوتھائی یا زیادہ ارکان کھڑے ہوں جائیں تو چیئرمین اعلان کرے گا کہ تحریک پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے۔تب ضابطہ نمبر 77 کے تحت تحریک اُس روز کی کارروائی کے آخر میں زیر بحث لائی جائے گی۔

بحث کیلئے وقت

چیئرمین تحریک پر بحث کیلئے دن مقرر کرے گا اور دو گھنٹے سے زیادہ بحث کی جائے گی۔ بحث میں حصہ لینے والا ہر رُکن دس منٹ سے زیادہ وقت نہیں لے گا، اس سے قطع نظر تحریک پیش کرنے والا رُکن، یا متعلقہ وزیر یا وزیراعظم 30 منٹ سے زیادہ وقت تک بھی بول سکتا ہے۔ایک دن کے دوران ایک سے زیادہ تحریکیں پیش کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

نکتہ اعتراض

ایک نکتہ اعتراض کا تعلق صرف اور صرف قواعد وضوابط کی توضیح وتشریح یا نفاذ اور سینیٹ کی کارروائی یا دستور کی ایسی دفعات سے ہوتا ہے جو کارروائی کو باقاعدہ بناتی ہیں اور اس میں ایسا سوال اٹھایا جاتا ہے جو چیئرمین کے دائرہ اختیار میں ہوتا ہے، اور ایسے معاملے کے بارے میں ہوتا ہے جو اس وقت سینیٹ میں زیر بحث ہو۔نکتہ اعتراض پر اظہار خیال کی اجازت کا فیصلہ چیئرمین کرتا ہے، اور اس پر بحث کی اجازت نہیں ہوتی اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ چیئرمین اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے رُکن کو سن لے۔

سینیٹ کے اجلاس

سال میں سینیٹ کے تین اجلاس لازماً ہوں گے، اور ایک اجلاس کے اختتام اور دوسرے اجلاس کے آغاز کے درمیان 120 دن سے زیادہ وقفہ نہیں ہوگا۔ ہر پارلیمانی سال کے دوران سینیٹ کی نشستوں کا دورانیہ کم از کم کام کے 90 دنوں پر مشتمل ہوگا۔کام کے دنوں میں ایسے دن بھی شامل ہوں گے جن میں مشترکہ اجلاس ہوا ہو اور سینیٹ کے التواء کا کوئی دورانیہ جو دو دن سے زیادہ نہ ہو۔سینیٹ کی نشست ایسے دنوں اور ایسے اوقات میں ہوگی جس کی ہدایت چیئرمین دے گا۔

کارروائی کی تقسیم

سرکاری کارروائی

اس میں ان قوانین کے مسودے، قراردادیں، ترمیم اور دیگر تحریکیں شامل ہوں گی جن کی ترتیب کا تعین قائدِ ایوان یا اس کیلئے متعین وزیر کرے گا۔

ممبران کی ذاتی کارروائی:

اس میں ایسے قوانین کے مسودے، ترامیم اور دیگر تحریکیں شامل ہوں گی جن کا تعارف یا تحریک ارکان ذاتی طور پر کریں گے۔سینیٹ کی کارروائی میں کمیٹیوں سے متعلق امور اور کارروائیاں شامل ہوں گی اور ایسے دیگر امور جنھیں چیئرمین سینیٹ کارروائی میں شامل کرنے کی ہدایت کرسکتا ہے۔

کارروائی کیلئے وقت کا تعین:

سینیٹ میں نجی ارکان کی کارروائی کو پیر کے دن ترجیح دی جاتی ہے۔ باقی دنوں میں سرکاری کارروائی کے علاوہ کوئی کام نہیں ہوتا، تاہم قائد ایوان کی اجازت سے کسی اور کارروائی کو نمٹایا جاسکتا ہے۔

ممبران کی ذاتی کارروائی کے دن مسودات قانون، قراردادوں اور تحریک کی ترجیحات:

ممبران کی ذاتی کارروائی کے دن مسودات قانون پر بحث کا فیصلہ ووٹ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔اسی سے ملتا جلتا طریق کار ارکان کی ذاتی طور پر پیش کردہ قراردادوں اور نوٹسوں کے بارے میں بھی اختیار کیا جاتا ہے۔

روزانہ کارروائی کا نظام:

ہر روز کی کارروائی اسی ترتیب سے انجام پاتی ہے جس ترتیب سے اُس دن کے روزنامچے (آرڈر آف دی ڈے) میں درج ہوتی ہے۔تاہم چیئرمین کو اختیار حاصل ہے کہ اجلاس میں وہ کسی ایسی کارروائی کو انجام دینے کی اجازت دے جو اُس دن کے روزنامچے میں درج نہیں۔

کورم:

اگر اجلاس کے دوران کسی بھی وقت چیئر مین کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا جائے کہ اجلاس میں حاضر ارکان کی تعداد کل ارکان کی ایک چوتھائی سے کم رہ گئی ہے تو وہ اس وقت تک کارروائی کو معطل رکھے گا جب تک ارکان کی مطلوبہ تعداد حاضر نہیں ہو جاتی۔

میاں محمد یوسف:

کسی ملک کے وقار کا پتہ اس کی پارلیمنٹ کی عظمت سے چلتا ہے۔ پارلیمنٹ میں بحث کے دوران یہ دیکھا جاتا ہے کہ ملک کے نمائندے کتنے مہذب ہیں اور ایک دوسرے کا کتنا احترام کرتے ہیں۔ ملک کے کمزور طبقات ،اقلیتوں اور دیگر پسماندہ طبقات کے حوالے سے پارلیمنٹ کس حد تک کارگر ثابت ہو رہی ہے، طبقوں کی نمائندگی کتنی ہے اور کتنی بار ان کی آواز سنی جاتی ہے اور اس پر کتنا عمل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیشتر ممالک میں ملک کے ممتاز اور ذہین ترین پالیسی ساز اور ملک کو ترقی دینے کیلئے خصوصی وژن رکھنے والے افراد ہی عوام کے نمائندے ہوتے ہیں۔ پارلیمنٹ کا رعب اس کے ممبران سے ہوتا ہے یہی لوگ پوری دنیا کو پیغام دیتے ہیں کہ ملک اپنی قومی سلامتی اپنے مسائل اور ان کے ادراک کے لیے کتنا احساس ہے۔ کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو وہ حقیقی معنوں میں اس کا گہرائی سے جائزہ لیتے ہیں۔ حکومت کی لاپروائی اجاگر کرنے کے ساتھ اپنی ذمہ داری کا بھی جائزہ لیتے ہیں ۔ وہ صرف طعن وملامت سے کام نہیں لیتے بلکہ مسائل کا مناسب حل بھی پیش کرتے ہیں۔ حزب اختلاف کا کام ہوتا ہے کہ وہ حکومت کی خامیوں پر نظر رکھے اور اس کے اچھے کاموں کو سراہے لیکن یہاں ہوتا یہ ہے کہ حکومت کا ہر اقدام اور ہر فعل اپوزیشن کو ناگوار گزارتا ہے یہاں حزب اختلاف کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ حکومت کی ہر فیصلے کی مخالفت کرنا خواہ وہ عوامی مفاد میں ہی کیوں نہ ہو۔ اپوزیشن جماعتیں ایک مثال بھی پیش نہیں کر سکتیں کہ انہوں نے حکومت کے کسی کام کی ستائش کی ہو۔ یہ رویہ ملک کی مصنوعی جمہوریت کو ظاہر کرتا ہے جس میں تحمل کیلئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ جمہوریت سب کو انصاف فراہم کرنے کا ایک نظام ہے نہ کہ کسی طبقہ کو اکثریت کے دم پر ہراساں کرنے کا نسخہ کیمیا۔ پاکستان کی جمہوریت حقیقی معنوں میں کبھی جمہوریت کا روپ نہیں دھار سکی۔

ڈاکٹر سنگم ناشاد:

ہمارے ملک میں روز اول سے جمہوریت پر طبقاتی کشمکش، علاقہ بندی، مخصوص ریاستوں کے مفادات کا تحفظ اور اکثریت کے زور پر کسی صوبائی حکومت کو بے دخل کر دینا جیسا رویہ حاوی رہا ہے اسی لیے ملکی مفادات کا تحفظ بھی حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا مشترکہ مقصد نہیں بن سکا۔ ملک کی پارلیمنٹ کے پہلے اجلاس کا 60 سالہ سفر کوئی معمولی سفر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی مختصر مدت۔ یہ عرصہ کسی بھی قوم کو ترقی یافتہ بنانے کیلئے کافی ہوتا ہے۔ مگر بدقسمتی سے ہماری جمہوریت کو چلنے نہیں دیا گیا۔ کسی چیز کی سالگرہ اس لیے منائی جاتی ہے کہ اس کی خوبیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لیا جائے دیکھا جائے کہ یہ کارواں اپنے مقصد کے حصول میں کتنا کامیاب رہا، کہاں کہاں خامیاں رہ گئیں کون سا شعبہ، کون سا طبقہ اور کون سا علاقہ ترقی کی دھارے سے الگ تھلگ پڑ گیا۔ یہ تمام چیزیں پارلیمنٹ کے اجلاسوں میں نظر نہیں آئیں۔ البتہ پارلیمنٹ کے وقار کو برقرار یا بحال رکھنے کیلئے بیشتر ممبران زور دیتے ہیں کہ اس ایوان نے ملک کو درپیش کئی اہم مسائل پر قومی اتفاق رائے پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے اور اب سب کو مل کر نیا باب رقم کرنا ہے عوام نے باربار پارلیمانی جمہوریت میں اپنا ووٹ دیا ہے کہ شاید اس بار ہمارے دکھوں کا مداوا ہوگا۔ اور لوگوں کو ان کی دہلیز پر سہولیات میسر ہوں۔ مگر بدقسمتی سے ہر بار عوام کو مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

محمد حیات:

اس طرح کے پروگرام کا مقصد عوام کو سیاسی شعور دینا ہے۔ ہماری سیاسی جماعتوں میں سیاسی شعور کا فقدان ہے۔ پہلے کالجوں میں سیاسی جماعتوں کا سٹڈی سرکل ہوتا وہ اب ختم ہو گیا ہے۔ ملک میں جمہوریت نہیں ہے۔ ہماری قوم پرست پارٹیوں نے بھی روایتی سیاست کو اپنایا ہے۔ وہ سیاسی شعور رکھنے والے ساتھیوں کی بجائے ان لوگوں کو اسمبلی کا ٹکٹ دیتے ہیں جن کے پاس بہت زیادہ سرمایہ ہو۔ ہم لوگ تبدیلی کی طرف کیوں نہیں جاتے ہیں؟ ہمارے معاشرے میں تبدیلی کیوں نہیں آتی ہے؟ جن کے پاس بڑی بڑی گاڑیاں اور بندوقیں ہوتی ہیں وہ الیکشن میں منتخب ہوتے ہیں۔ نظریات ختم ہو گئے، سیاست سے قابلیت کو ختم کیا گیا، جس کی وجہ سے جمہوریت کمزور ہوئی۔

عبدالستار شاہوانی صاحب:

ساتھیوں نے سب کچھ بتا دیا۔ میں ایک تجاویز دیتا ہوں کہ قانون سازی میں تمام لوگوں کی شمولیت ضروری ہے کیونکہ دنیا میں قانون بناتے وقت عوام کی رائے کو ضرور شامل کیا جاتا ہے۔ ہمارے ادارے کام نہیں کرتے یعنی انتظامیہ، عدلیہ اور خفیہ ادارے جب تک صحیح طور پر کام نہیں کرتے تب تک کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ لوکل گورنمنٹ ہی صحیح طریقے سے ایک ڈسٹرکٹ میں ترقیاتی کام کر سکتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے یہاں پر تمام کام ایک وزیر کرتا ہے۔ ٹرانسفر سے لیکر ایک ضلع کے ترقیاتی فنڈز کو اپنے مرضی کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ قانون پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ ہمارا قانون بہت کمزور ہے۔ باشعور شخص کو منتخب کرنا چاہیے تا کہ وہ صحیح انداز میں لوگوں کی نمائندگی کا حق ادا کریں۔

(کوئٹہ چیپٹر آفس، ایچ آر سی پی)

2015 میں بلوچستان سے 463 افراد جبری طور لاپتہ، 157 لاشیں ملیں

کوئٹہ پاکستان کے صوبہ بلوچستان سے جبری طور پر لاپتہ کیے گئے افراد کے لواحقین کا کہنا ہے کہ سال 2015 کے دوران صوبے بھر سے مزید 463 افراد جبری طور پر لاپتہ ہوئے ہیں۔ یکم دسمبر کو کوئٹہ پریس کلب میں جبری طور پر لاپتہ کیے گئے افراد کے لواحقین کی تنظیم وائس فار مسنگ بلوچ پرسنز کے چیئر مین نصر اللہ بلوچ نے کہا کہ سال بھر میں 157 بلوچ افراد کی مسخ شدہ لاشیں برامد ہوئیں ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ وائس فار بلوچ مسنگ پرسنز نے یہ اعداد وشمار لاپتہ افراد کے رشتہ داروں، سیاسی وانسانی حقوق کی تنظیموں اور دیگر ذرائع سے حاصل کیے ہیں۔ نصر اللہ بلوچ نے بتایا کہ جبری طور پر لاپتہ افراد کی تعداد اس سے کئی زیادہ ہو سکتی ہے کیونکہ حکومتی سطح پر یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ نیشنل ایکشن پلان کے تحت 9 ہزار سے زیادہ افراد کو گرفتار کیا گیا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ حکومتی ادارے اس بات کے پابند ہیں کہ تحفظ پاکستان ایکٹ کے تحت گرفتار افراد کے بارے میں ان کے رشتہ داروں کو آگاہ کریں لیکن ایسا نہیں ہو رہا۔ جبری طور پر لاپتہ افراد کے لواحقین کی تنظیم کا کہنا ہے کہ قانونی تقاضوں کے برعکس نہ ان گرفتاریوں کی تفصیلات جاری کی گئیں اور نہ ہی یہ بتایا گیا کہ ان افراد کو کن حراستی مراکز میں رکھا گیا ہے۔ وائس فار بلوچ پرسنز کے چیئر مین نے کا کہنا تھا کہ نیشنل ایکشن پلان کے تحت گرفتار ہونے والے بعض افراد کو 90 دن سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا لیکن ان کو تا حال کسی عدالت میں پیش نہیں کیا گیا۔ (نامہ نگار)

حامد اور زینت کے لئے کوئی امید؟

بھارت اور پاکستان کے درمیان جاری تکرار میں پھنسے افراد کو ایسی صورتحال سے فوری نجات دلانے کی ضرورت ہے

بھارت اور پاکستان کے درمیان مذاکرات دوبارہ شروع کرنے پر رضامندی کے باعث دونوں ملکوں کے ان افراد نے سکھ کا سانس لیا ہے جو دونوں ملکوں کے درمیان دیرپا امن قائم ہونے کے خواہاں رہے ہیں۔ لیکن ایک بار پھر ایسا ہوا ہے کہ وہ اپنی امیدوں کو ٹھوس شکل ملتے ہوئے دیکھ نہیں پا رہے اور ان کو ایسے لگتا ہے جیسے دونوں قوموں کے درمیان نتیجہ خیز مفاہمت کے امکانات زیادہ روشن نہیں ہیں۔

اس پہلو پر کافی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں کہ نریندرہ مودی کو راستہ تبدیل کرنے کے لیے کس نے تیار کیا اور نواز شریف کو کس نے رضامند کیا کہ وہ غیر معمولی مستعدی کے ساتھ نریندرہ مودی کے اس اقدام کا جواب مثبت انداز میں دیں۔ یہ معاملہ قطعی طور پر غیر اہم نہیں ہے۔ اس لیے کہ تیسرے فریق کے ہنکانے پر ہونے والے اتفاق رائے کی اہمیت عمومی طور پر زیادہ نہیں ہوتی۔ اس کے باوجود وسیع البنیاد مذاکرات کا خیر مقدم ہی کیا جا سکتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ پاکستان اور بھارت دونوں ہی ایک دوسرے کے نکتہء نظر کو سمجھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان نے بنکاک میں دہشت گردی پر گفتگو کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا جبکہ بھارت نے اسلام آباد میں وسیع تر موضوعات پر بات کرنے پر رضامندی ظاہر کی۔ بہرحال اس سے ہر کوئی تو خوش نہیں ہے۔ ایک بھارتی ماہر کا کہنا ہے کہ اس سمجھوتے یا تصفیے سے پاکستان کو فائدہ پہنچا ہے جبکہ ایک پاکستانی ماہر نے کہا کہ اس کے ملک نے کافی کچھ کھویا ہے۔ اس قسم کے تجزیوں سے دونوں ملکوں کے لوگوں کے ذہن زہر آلود ہوں گے اور اس سے دونوں ملکوں کی قیادتیں مجبور ہو جائیں گی کہ وہ تصادم اور دو بدو کی صورتحال پر واپس جائیں۔

قبل اس کے کہ جب دونوں فریقین مناسب وقت پر یہ طے کرنے بیٹھیں کہ کن معاملات پر گفتگو کی جائے، تو اس سے پہلے فوری ضرورت اس بات کی ہو گی کہ ان افراد کی حالت زار پر توجہ دی جائے جو دونوں ملکوں کے درمیان جاری تکرار کا شکار بنے ہوئے ہیں۔ ان میں مچھیرے ہیں اور وہ لوگ ہیں جو دوسرے ملک کی جیلوں میں قید ہیں۔ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو سرکاری اہل کاروں کے ستم اور نفرت کا شکار ہوئے ہیں۔ ان میں بھارت کے حامد انصاری اور پاکستان کی زینت شہزادی بھی شامل ہیں۔ حامد انصاری کو سکیورٹی ایجنسیوں نے 14 نومبر 2012ء کو کوہاٹ کے ایک ہوٹل سے اٹھایا اور وہ تب سے لا پتہ ہے۔

خیبر پختونخوا اور فاٹا میں اس کے چند آن لائن دوست تھے یعنی ذاتی کمپیوٹر کے ذریعے بننے والے اس کے چند دوست تھے۔ خاص طور پر قبائلی علاقے سے ایک لڑکی اس کی دوست بن گئی تھی۔ ایک قبائلی جھگڑے کے فیصلے کے نتیجے میں اس لڑکی کی شادی کسی لڑکے سے کر دی گئی تھی۔ حامد نے اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے پاکستانی دوستوں نے آن لائن رابطوں کے ذریعے اس کا بھرپور ساتھ دینے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ پاکستان کے لیے ویزا نہ ملنے کے باعث حامد کسی نہ کسی طریقے سے کابل پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے ظاہر یہ کیا کہ وہ ملازمت کے لیے انٹرویو دینے کے لیے کابل آیا تھا جو 4 نومبر 2012ء کو ہونا تھا۔ بہرحال وہ کسی نہ کسی طرح 12 نومبر 2012ء کو پاکستان پہنچ گیا اور اپنے ایک آن لائن دوست کے ہاں قیام پذیر رہا۔ اس دوست کے ہاں وہ اس وقت تک رہا جب تک اس کے ایک اور آن لائن دوست نے کوہاٹ کے ایک ہوٹل میں اس کی رہائش کا انتظام نہ کر لیا۔ 14 نومبر 2012ء کو پولیس کے ایس ایچ او نے اسے اٹھایا اور سکیورٹی ایجنسی کے ایک افسر کے حوالے کر دیا۔

اب ہم آتے ہیں ایک اور جبری گمشدگی کے مقدمے کی طرف۔ یہ زینت شہزادی سے متعلق ہے جو ریکارڈ کے مطابق لاہور کی صحافی ہیں۔ حامد انصاری کے معاملے میں زینت کو کیسے اور کیوں دلچسپی پیدا ہوئی، اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگست **2013**ء میں وہ حامد کی والدہ فوزیہ انصاری سے خصوصی پاور آف اٹارنی (مختار نامہ) حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ انہوں نے پشاور ہائی کورٹ میں اور جبری گمشدگی کے انکوائری کمیشن میں حامد کے مقدمہ کی پیروی کی۔ انہیں **24** اگست **2015**ء کو کمیشن کے سامنے پیش ہونا تھا لیکن اس سے پہلے ہی **19** اگست **2015**ء کو لاہور میں ان کے گھر کے قریب بس سٹینڈ سے انہیں اٹھا لیا گیا

اس کی گرفتاری اور قید کے حوالے سے ایف آئی آر درج کرانے کی کوششیں اس وقت تک ناکام رہیں جب تک 2014ء میں جبری گمشدگیوں پر قائم انکوائری کمیشن نے اس کا حکم نہ دیا۔ اس کے ساتھ ہی پشاور ہائی کورٹ میں حبس بیجا کی درخواست دائر کر دی گئی۔ حامد کے آن لائن پاکستانی دوستوں کے نام سب جانتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک ساتھ اس کی گفتگوئیں ریکارڈ پر ہیں جن کے ساتھ ان پولیس افسروں کے بیانات بھی منسلک ہیں جنہوں نے اس کو ہوٹل سے اٹھایا تھا اور اس کا بیگ حاصل کیا تھا۔ گرفتاری کے وقت اس پر جو الزام لگایا جا سکتا تھا، وہ یہ تھا کہ وہ غیر قانونی طور پر پاکستان میں داخل ہوا تھا۔ اس جرم کی زیادہ سے زیادہ سزا چھ ماہ قید ہے جبکہ حامد کی قید کو تین سال ہو چکے ہیں۔ اگر پولیس کو اس کے سفری تھیلے سے میزائل یا کچھ آئی ای ڈیز ملے ہوتے تو پھر اس کے خلاف جاسوسی، سبوتاژ، دہشت گردی اور نہ جانے کس کس جرم کے تحت مقدمہ درج کیا جاتا۔ لیکن حامد کے خلاف تو ایسا کوئی جرم لگایا ہی نہیں گیا اس لئے کہ اس کے خلاف ایسے کسی جرم کی کوئی شہادت نہیں ہے۔ جبری گمشدگی کے ایسے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے تین سال کا عرصہ کافی ہوتا ہے جس میں تمام دستاویزات موجود ہونے کے علاوہ یہ مقدمہ پشاور ہائی کورٹ کے نظام الاوقات، یا فہرست یا روسٹر پر موجود ہے۔

اب ہم آتے ہیں ایک اور جبری گمشدگی کے مقدمے کی طرف۔ یہ زینت شہزادی سے متعلق ہے جو ریکارڈ کے مطابق لاہور کی صحافی ہیں۔ حامد انصاری کے معاملے میں زینت کو کیسے اور کیوں دلچسپی پیدا ہوئی، اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ اگست 2013ء میں وہ حامد کی والدہ فوزیہ انصاری سے خصوصی پاور آف اٹارنی (مختار نامہ) حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ انہوں نے پشاور ہائی کورٹ میں اور جبری گمشدگی کے انکوائری کمیشن میں حامد کے مقدمہ کی پیروی کی۔ انہیں 24 اگست 2015ء کو کمیشن کے سامنے پیش ہونا تھا لیکن اس سے پہلے ہی 19 اگست 2015ء کو لاہور میں ان کے گھر کے قریب بس سٹینڈ سے انہیں اٹھا لیا گیا۔ اس سے چند روز قبل بھی پولیس نے انہیں مختصر وقت کے لیے اس وقت حراست میں لیا تھا جب وہ بھارتی ہائی کمشنر سے مل کر آئی تھیں۔ ان کی یہ ملاقات ایک تقریب میں ہوئی تھی۔

زینت کے بھائی نے اس واقعہ کے خلاف ایف آئی آر درج کروائی اور کمیشن میں بھی یہ معاملہ اٹھایا گیا۔ کمیشن نے پنجاب کے سیکرٹری داخلہ کو کہا کہ وہ ایک مشترکہ تحقیقاتی ٹیم (جوائنٹ انویسٹی گیشن ٹیم) تشکیل دیں جو پولیس اور انٹیلی جنس ایجنسی کے افراد پر مشتمل ہو جو زینت کا سراغ لگائے۔ کمیشن متعدد سماعتیں کر چکا ہے۔ ایک رکشہ ڈرائیور کی شہادت بھی ریکارڈ کی گئی ہے جس نے دیکھا کہ کچھ لوگ زینت کو اٹھا کر ایک سفید کار میں لے گئے تھے۔ کمیشن میں ہونے والی ہر سماعت کے دوران جوائنٹ انویسٹی گیشن ٹیم نے زینت کے بارے میں یہی کہا کہ ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ انہیں کون لے کر گیا اور وہ کہاں ہیں۔ نومبر میں جو تا حال آخری سماعت تھی، کے دوران زینت کے گھر والوں کو ایک خاندان کے بارے میں معلوم ہوا جو گزشتہ چار برسوں سے ایک جبری گمشدہ فرد کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے لیکن تا حال اس کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ یہ سن کر زینت کے خاندان والوں کے دل ڈوبنے لگے۔

انصاری اور زینت کے واقعات ناقص حکمرانی اور امن وامان کی ذمہ دار مشینری کی ناکامی کی ناقابل معافی نظیریں ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عام شہری کو کس قدر خواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کی وجہ ان لوگوں کی بے حسی ہی ہے جن کو عوام کے خون پسینے کی کمائی سے تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں تاکہ وہ شہریوں کے بنیادی حقوق اور ان کی آزادیوں کا تحفظ کریں۔

بھارت اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کے عمل کو تب بہت زیادہ تقویت ملے گی جب ایسے افراد کے معاملات کو، جو اس وقت مشکلات کا شکار ہیں، فوری طور پر اور انصاف کے ساتھ طے کیا جائے۔ ایک دوسرے کی جیلوں میں بند قیدیوں کے معاملات کو قیدیوں سے متعلق مشترکہ کمیٹی کو فوری طور پر دوبارہ فعال کیا جائے اور وہ کام شروع کر کے انصاف پر مبنی فیصلے دے۔ اس کے علاوہ حال ہی میں سرحد کے دونوں طرف لوگوں کے سفر پر لگائی جانے والی نئی پابندیوں کو ختم کیا جائے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

اقلیتیں

تبدیلی مذہب کے لیے ہراساں کیا جانے لگا

یزمان زمان کے علاقے چولستان کے چک 103 ڈی آر بی کے رہائشی لچھورام صو بھارام اوراس کی بیوی سموما‎ئی نے بتایا کہ علاقہ کے بااثر افراد محمد بلال، صابر اور جنید نے ان پر دباؤ ڈالا کہ وہ اپنا مذہب ترک کرکے مذہب اسلام اختیال کرلیں ورنہ جھوٹے مقدمات میں پھنسا دیا جائے گا۔ لچھورام نے بتایا کہ وہ پیدائشی ہندو ہیں اور اپنے مذہبی عقائد کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔ انہوں نے بااثر افراد کی جانب سے ہراساں کئے جانے پر پولیس سے رابطہ کیا مگر انہوں نے کوئی کارروائی نہ کی جس پر انہوں نے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج بہاولپور کی عدالت میں پٹیشن دائر کردی مگر پولیس نے عدالتی حکم کے باوجود ملزمان نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

(نامہ نگار)

مسلمانوں نے مسیحیوں کو بچالیا

--- کینیا میں ایک بس پر سفر کے دوران عینی شاہدین کے مطابق شدت پسندوں کے حملے کے دوران مسلمان افراد نے مذہبی بنیاد پر گروہوں میں تقسیم ہونے سے انکار کرکے عیسائی افراد کو بچالیا۔ کینیا کے میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے مقامی گورنر کا کہنا تھا کہ انھوں نے شدت پسندوں سے کہا کہ ُان سب کو ایک ساتھ ماردیں یا پھر سب کو چھوڑ دیں۔ ستمبر 2013 میں دارالحکومت نیروبی کے ویسٹ گیٹ شاپنگ مال پر قبضے کے دوران الشباب گروہ کے مسلح شدت پسندوں نے 67 افراد کو ہلاک کردیا تھا۔ جون 2014۔ تفریحی مقام لامو کے نزدیکی شہر مپیکیٹونی میں ہوٹلوں اور پولیس سٹیشن پر شدت پسندوں کے حملوں میں 48 افراد ہلاک ہوگئے تھے۔ نومبر 2014۔ شدت پسندوں نے مندیرا شہر میں اساتذہ سے بھری ایک بس پر حملہ کرکے 28 غیر مسلم افراد کو ہلاک کردیا تھا۔ دسمبر 2014۔ کینیا کے شمالی شہر مندیرا کے نزدیک الشباب نے 36 غیر مسلم کان کنوں کو ہلاک کردیا تھا۔ اپریل 2015۔ شدت پسندوں نے شمال مشرقی کینیا میں گریسا یونی ورسٹی پر حملہ کرکے 148 افراد کو ہلاک کردیا۔ صومالی سرحد پر شمال مشرقی گاؤں ال واک کے نزدیک حملے میں کم ازکم دوافراد ہلاک ہوگئے ہیں۔ صومالیہ میں سرگرم شدت پسند الشباب گروہ نے اس واقعے کی ذمہ داری قبول کرلی ہے۔ یہ گروہ کینیا کے شمال مشرقی علاقوں میں اکثر حملے کرتا رہتا ہے۔ بس کینیا کے دارالحکومت نیروبی سے مندیرا شہر جارہی تھی۔ رواں سال اپریل میں گریسا یونی ورسٹی پر حملے میں الشباب نے 148 افراد کو ہلاک کردیا تھا۔ اطلاعات کے مطابق حملے کے دوران شدت پسندوں نے عیسائی افراد کو الگ کرکے ہلاک کیا تھا جبکہ مسلمانوں کو چھوڑ دیا گیا تھا۔ گذشتہ سال الشباب نے مندیرا کے نزدیک بس پر حملہ کرکے 28 غیر مسلم افراد کو کرسمس کی چھٹیوں میں نیروبی جاتے ہوئے ہلاک کردیا تھا۔ مندیرا کے گورنر علی روبا نے نجی اخبار ڈیلی نیشن سے کہا کہ ُمقامی افراد نے حب الوطنی اور باہمی اتحاد کا مظاہرہ کیا ہے۔ ٗ انھوں نے مزید کہا کہ مسافروں کی جانب سے یکجہتی کا مظاہرہ کرنے کے بعد شدت پسندوں نے انھیں چھوڑ دیا تھا۔ حملے کا شکار ہونے والی بس کے ڈرائیور سے گفتگو کرنے والے مکہ بس کمپنی کے ایک ملازم نے بی بی سی کو اس بات کی تصدیق کی ہے کہ مسلمانوں نے ساتھی عیسائی مسافروں سے الگ ہونے سے انکار کردیا تھا۔ خیال رہے کہ کینیا کے شمال مشرقی علاقے میں صومالی نسل کے افراد کی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔

(بی بی سی اردو)

احمدی مخالف پوسٹر لگانے پر گرفتاری

لاہور 14 دسمبر کو لاہور میں پولیس نے مذہبی منافرت پھیلانے کے الزام میں ایک شخص کو گرفتار کرلیا۔ پولیس نے یہ کارروائی سوشل میڈیا پر جاری ہونے والی ایک تصویر اور مہم کے بعد کی۔ لاہور کے تھانہ گلبرگ کے محرر انوسٹیگیشن میاں عمران برکت نے بی بی سی کو بتایا کہ اُنھیں اعلیٰ حکام کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ اُن کے علاقے میں واقع کاروباری مرکز (حفیظ سینٹر) میں ایک دکان پر ایک اقلیت کے خلاف نازیبا زبان استعمال کرتے ہوئے ایک پوسٹر آویزاں کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ پولیس اہلکاروں نے جائے وقوعہ پر پہنچ پر دکان کے مالک عابد ہاشمی کو یہ پوسٹر ہٹانے کے لیے کہا لیکن اُنھوں نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ تاہم پنجاب حکومت کے ٹوئٹر ہینڈل پر جاری ہونے والی تصاویر میں ایک پولیس اہلکار کو یہ پوسٹر ہٹاتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ تفتیشی محرر کے مطابق ابتدائی تفتیش کے دوران معلوم ہوا کہ ملزم مذہبی رجحانات کی طرف مائل ہے۔ مقامی پولیس کے مطابق ملزم کے خلاف توہین مذہب کی دفعہ 295 اے کے تحت درج کیا گیا ہے۔ توہین مذہب کے قانون کی یہ دفعہ کسی کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کے زمرے میں آتی ہے جس کی قانون کے مطابق سزا دس سال تک ہے۔ مقامی پولیس کے مطابق ملزم کو جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا گیا ہے۔ شدت پسندی کے خلاف قومی ایکشن پلان کے تحت قانون نافذ کرنے والے اداروں نے صوبہ بھر میں مذہبی منافرت پھیلانے کے الزام میں سینکڑوں افراد کے خلاف مقدمات درج کرکے اُن کے خلاف قانونی کارروائی عمل میں لائی گئی ہے۔

(نامہ نگار)

ہندو خانگی قانون میں صوبائی حکومتوں کی عدم دلچسپی

اسلام آباد ڈیڑھ برس قبل قومی اسمبلی میں پیش کیے گئے ہندو میرج بل کو صوبائی حکومتوں کی عدم دلچسپی کے باعث ابھی تک منظور نہیں کیا جاسکا۔ ہندو برادری کا کئی دہائیوں سے مطالبہ ہے کہ پاکستان میں ہندوؤں کی شادیوں اور طلاق کے اندراج کا نظام قائم کیا جائے۔ پاکستان میں ہندووں کی شادیوں کو قانونی طور پر تسلیم نہیں کیا جاتا جس کی وجہ سے ہندو برادری کو نہ صرف جبری شادیوں اور مذہب تبدیل کرنے کے مسائل کا سامنا ہے بلکہ طلاق اور قومی شناختی کارڈ کے حصول میں بھی مشکلات درپیش ہیں۔ بہت سے ہندو سماجی اور معاشرتی مسائل کی وجہ سے بھارت ہجرت کر گئے ہیں۔ پاکستان مسلم لیگ ن کے رکنِ پارلیمان ڈاکٹر رمیش وانکوانی ان رکنِ پارلیمان میں سے ایک ہیں جنھوں نے ہندو میرج بل کو گذشتہ برس قومی اسمبلی میں پیش کیا تھا اور وہ قائمہ کمٹی کے اجلاس میں آج موجود تھے۔ ان کا کہنا ہے کہ اجلاس میں پیش رفت نہیں ہوئی۔ انھوں نے بتایا کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے سربراہ مولانا شیرانی بھی قائمہ کمیٹی کے رکن ہیں اور انھوں نے آج کے اجلاس میں ایسی بات کی جس سے رویوں کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ پاکستان میں ہندوؤں کی اکثریت سندھ میں آباد ہے۔ اٹھارویں ترمیم کے بعد ہندوؤں کی شادی کے معاملے کا اختیار صوبوں کے پاس ہے، اور ہندوؤں کے شادیوں کے اندراج کے لیے ایک قومی ادارہ قائم کرنے لیے صوبائی اسمبلیوں کو عمل میں شامل کرنا ہوگا۔ ڈاکٹر رمیش نے مزید کہا کہ ُصرف بلوچستان اور خیبر پختونخوا نے مہینے کے آخر تک قانون منظور کرنے کا وعدہ کیا۔ پاکستان کے قائم ہونے کے اڑسٹھ برسوں میں ہندوؤں کی شادی اور طلاق کا طریقہ کار وضع نہیں ہے، جس کی وجہ سے ہندو برادری کو کئی مسائل کا سامنا ہے، جیسے کہ جبری شادیاں، مذہب کی تبدیلی، شوہر کے نام کا قومی شناختی کارڈ، طلاق، اور وراثت کے مسائل۔

(نامہ نگار)

معذوروں کے عالمی دن پر کوئٹہ پریس کلب کے باہر احتجاج

کوئٹہ کوئٹہ میں جسمانی طور پر معذور افراد کے عالمی دن کے موقع پر کوئٹہ میں ایک واک کا اہتمام کیا گیا جبکہ انجمن معذوران بلوچستان نے اس دن کو یوم سیاہ کے طور پر منایا۔ واک کا اہتمام کوئٹہ چھاؤنی میں کیا گیا جس میں پاکستانی فوج کی 41 ڈویژن کے جنرل آفیسر کمانڈنگ میجر جنرل آفتاب نے بھی شرکت کی۔ واک کے علاوہ اس دن کے حوالے سے ایک تقریب کا بھی انعقاد کیا گیا جس میں بچوں نے خاکے بھی پیش کیے۔ انجمن معذوران بلوچستان تنظیم کے زیر اہتمام کوئٹہ پریس کلب کے باہر احتجاجی مظاہرہ منعقد کیا گیا۔ مظاہرے کے شرکاء نے ہاتھوں میں چارٹ اٹھا رکھے تھے جن پر مطالبات درج تھے کہ معذور افراد کو جینے کا حق دیا جائے اور سرکاری ملازمتوں میں ان کے لیے مختص کوٹے پر عملدر آمد کیا جائے۔ مظاہرے کے شرکاء سے انجمن معذوران بلوچستان کے صدر جہانگیر خان کاکڑ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس دن کو منانے کا مقصد معذور افراد کو معاشرے میں بطور انسان ان کا جائز مقام دلانے کے لیے شعور اجاگر کرنا ہے، لیکن یہ امر افسوسناک ہے کہ انھیں جائز مقام نہیں دیا جا رہا۔ انھوں نے بتایا کہ اسی وجہ سے ان کی تنظیم بلوچستان کے 22 اضلاع میں اس دن کو یوم سیاہ کے طور پر منا رہی ہے۔ جہانگیر کاکڑ کا کہنا تھا کہ قوم پرستوں کی حکومت نے بھی ان کا حق نہیں دیا۔ انجمن معذوران بلوچستان کے صدر نے بتایا کہ معذور افراد کے مسائل کے حل اور ان کی مدد کے لیے مختلف ادارے تو قائم ہیں مگر یہ ادارے ان کے مسائل حل کرنے کی بجائے انھیں ڈاکٹروں کی طرح صرف مشورے دیتے ہیں۔

(نامہ نگار)

خاتون پولیو ورکر سے جنسی زیادتی

گلگت متعدد انسداد پولیو مہمات میں حصہ لینے والی لیڈی ہیلتھ ورکر نے دعویٰ کیا ہے کہ چار افراد نے مبینہ طور پر پولیو قطرے پلانے پر ان کے گھر میں گھس کر انہیں ریپ کا نشانہ بنایا۔ پریس کلب میں میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے پانچ بچوں کی والدہ نے دعویٰ کیا کہ 28 اگست کو نوشہرہ کے بلو کالے علاقے میں ان افراد نے انہیں ریپ کا نشانہ بنایا۔ ان کے مطابق دو افراد پولیس یونیفارم جبکہ دیگر دو سادے کپڑوں میں ملبوس تھے۔ اس موقع پر انہوں نے اکبر پورہ پولیس اسٹیشن میں درج ایف آئی آر کی کاپی بھی دکھائی جو ڈان کے پاس موجود ہے جبکہ انہوں نے وفاقی و صوبائی حکومت سے انصاف کی اپیل بھی کی۔

(نامہ نگار)

پولیو ٹیم پر حملہ، لیوی اہلکار ہلاک

باجوڑ صوابی پولیس کے اہلکار امجد خان کے مطابق موٹر سائیکل پر سوار دو افراد نے ڈاکٹر یعقوب پر پوٹھوہار نہر کے قریب فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں ڈاکٹر یعقوب موقع پر دم توڑ گئے جبکہ ان کے ڈرائیور اس حملے میں زخمی ہو گئے۔ پولیس کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر یعقوب کو سر پر گولیاں ماری گئیں جبکہ ڈرائیور کو ہاتھ پر گولی لگی۔ پشاور میں انسدادِ پولیو حکام کے مطابق یہ ٹارگٹ کلنگ کا واقعہ ہے کیونکہ بظاہر ڈاکٹر یعقوب کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی اور وہ انتہائی خوش مزاج انسان تھے۔ خیبر پختونخوا میں اس ماہ کے اوائل میں انسدادِ پولیو کی مہم شروع کی گئی تھی جس میں تقریباً 25 لاکھ افراد کو اس مرض سے بچاؤ کے قطرے دینے کا حدف رکھا گیا تھا لیکن حالیہ دنوں میں ایسا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ انسدادِ پولیو مہم کے حکام کا کہنا تھا کہ صوابی میں امن و امان کی صورتِ حال بہتر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ صوابی میں ہی ٹھنڈ کھوئی کے قریب نامعلوم افراد نے پولیس کے رائیڈر سکواڈ پر فائرنگ کی جس میں ایک اہلکار ہلاک اور ایک زخمی ہو گیا۔ پولیس کے مطابق رائیڈر سکواڈ کے اہلکار معمول کی گشت پر تھے کہ موٹر سائیکل پر سوار دو نامعلوم افراد نے ان پر فائرنگ کی اور اس دوران وہ خود بھی موٹر سائیکل سے گر گئے جس کے بعد وہ موٹر سائیکل چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ خیبر پختونخوا کے دارالحکومت پشاور سمیت دیگر شہروں میں بھی ٹارگٹ کلنگ کے واقعات معمول سے پیش آ رہے ہیں۔ چند روز پہلے پشاور میں ایک شیعہ رہنما کو نامعلوم افراد نے فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا تھا۔

(نامہ نگار)

بلوچستان میں 84 فیصد بچے حفاظتی ٹیکوں سے محروم

کوئٹہ ایمرجنسی آپریشن سینٹر ای او سی نے انکشاف کیا ہے کہ بلوچستان میں 84 فیصد بچے حفاظتی ٹیکوں سے محروم ہیں اور مختلف قابل علاج اور مہلک بیماریوں کا شکار ہیں۔ ایمرجنسی آپریشن سینٹر کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر سید سیف الرحمٰن کے مطابق سو میں سے صرف 16 فیصد بچوں کو حفاظتی ٹیکے لگائے گئے ہیں اور یہ صوبے کے لیے ایک خطرناک صورتحال ہے۔ بلوچستان ملک میں سب سے زیادہ قدرتی وسائل سے مالا مال صوبہ ہے البتہ صوبائی محکمہ صحت کے ڈیٹا سے معلوم ہوتا ہے کہ کم ترقی یافتہ اور سماجی اعشاریوں کے اعتبار سے دیگر صوبوں سے پیچھے ہے۔ حکومت بلوچستان نے پولیو کے خاتمہ کے لیے بچوں کی حفاظتی ٹیکوں کو یقینی بنانے کے ساتھ ساتھ معمول کے حفاظتی ٹیکوں کے پروگرام کو بیک وقت شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ای او سی اور ای پی آئی کے حکام نے حال ہی میں اجلاس منعقد کیا جس میں تمام بچوں کے لیے حفاظتی ٹیکوں کو یقینی بنانے کے لئے ایک موثر پروگرام شروع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یونیسیف اور عالمی ادارہ صحت کے حکام نے صوبے میں حفاظتی ٹیکوں کے لیے تکنیکی اور لاجسٹک سپورٹ فراہم کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ تاہم محکمہ صحت بلوچستان کے ایک اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر ڈان کو بتایا کہ صوبے میں زیادہ تر ای پی آئی مراکز غیر فعال ہیں۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ ضلع قلعہ عبداللہ کے 27 ای پی آئی مراکز میں سے صرف 10 کام کرتے ہیں، البتہ صوبہ کے باقی 31 ضلعوں میں بھی کوئی اچھی صورتحال نہیں ہے۔ حکام کا کہنا تھا کہ بلوچستان حکومت نے پولیو، خسرہ، چکن پاکس، ہیپاٹائٹس اور دیگر پانچ قابل علاج بیماریوں کے خاتمے کے لئے ای پی آئی کا آغاز کیا ہے البتہ اس کے باوجود ہر سال ان قابل علاج بیماریوں سے لاتعداد بچے ہلاک ہو جاتے ہیں۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ڈان)

پانی کی عدم فراہمی کا مسئلہ

خیرپورمیرس خیر پور شہر کے اکثر علاقوں بابوشاہ، محمد کالونی، سٹاف کوارٹر غریب آباد، کھجور منڈی، پولیس لائین اور ڈبر محلّہ وغیرہ میں پینے کے صاف پانی کی فراہمی کی معطلی کا سلسلہ جاری ہے جس کے بعد مذکورہ علاقوں میں پینے کے پانی کی شدید قلت ہو گئی ہے۔ شہریوں کا کہنا ہے کہ پانی کی عدم موجودگی کی وجہ سے وہ دور دور سے پانی بھر کر لا رہے ہیں۔ شہریوں کا کہنا تھا کہ اگر ان کا یہ مسئلہ حل نہیں ہوا تو وہ ضلعی انتظامیہ، میونسپل اور نسا سک کی انتظامیہ کے خلاف تحریک چلائیں گے۔ جبکہ ضلعی انتظامیہ کا کہنا تھا کہ کچھ علاقوں میں پانی کی عدم دستیابی کی وجہ سے ڈی سی او خیر پور کے حکم پر وہاں فائر بریگیڈ کے ذریعے پانی پہنچایا جا رہا ہے۔

(نامہ نگار)

تعلیم

ٹیچر پر تشدد، سنگین دھمکیاں

گوجرہ 29 نومبر کو بااثر افراد نے سرکاری سکول میں گھس کر سکول ٹیچر کو تشدد کا نشانہ بنا دیا۔ گورنمنٹ مڈل بوائز سکول چک نمبر 242 گ ب نور پور بستی کا ماسٹر میاں محمد مشتاق سکول میں بچوں کو پڑھا رہا تھا کہ اسی دوران بااثر افراد نے سکول میں گھس کر اس پر حملہ کر دیا اور تشدد کا نشانہ بناتے ہوئے سنگین نتائج کی دھمکیاں بھی دیں۔ صدر پولیس گوجرہ نے وقوعہ کا معائنہ کیا اور سکول سٹاف کو حملہ آوروں کیخلاف کارروائی کی یقین دہانی کروائی ہے۔ (اعجاز اقبال)

سماجی تنظیم کی ریلی

حیدرآباد 7 دسمبر کو عوامی راج تحریک کی جانب سے ''تعلیم میرا حق ہے'' کے عنوان سے ایک ریلی نکالی گئی۔ حیدر چوک سے پریس کلب تک نکالی جانے والی ریلی کے شرکاء نے تعلیم سے متعلق بینرز اور پلے کارڈ و اٹھا رکھے تھے۔ اس موقع پر سید خلیل احمد، سالار لطیف، سارنگ پیرزادہ، فریدہ چنا و دیگر نے کہا کہ سندھ میں کئی برسوں سے پرائمری سکولوں کو وڈیروں نے اپنی جاگیر بنا رکھا ہے جس کے سبب سندھ کی تعلیم تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ سندھ میں امتحانات کے دوران کاپیں کلچر کو فروغ دیا جا رہا ہے جس کی روک تھام کے لیے حکومت کوئی اقدامات نہیں کر رہی، سندھ کے تمام مسائل کا حل تعلیم میں چھپ ہے، قوموں کی ترقی کا دارومدار بھی تعلیمی قابلیت اور اہلیت سے مشروط ہے۔ سکولوں کی عمارتوں پر قبضے کئے گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تعلیمی اداروں میں سماجی، فلاحی اور غیر سرکاری طلبہ تنظیموں کو پروان چڑھانے کے لیے انتظامیہ اپنا کردار ادا کرے۔ وائس آف پاکستانی نیشن کے چیئرمین حضور بخش جتوئی نے پریس کلب حیدرآباد میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ ہماری تنظیم کا مقصد غریبوں کو ان کا حق دلوانا ہے، ملک کے موجودہ نظام میں تعلیم کی تمام سہولتیں موجود ہیں مگر بدعنوان اور کرپٹ لوگوں کے تسلط کی وجہ سے غریب طالب علم اپنے حق سے محروم ہیں، اسی طرح ہسپتالوں میں تمام مطلوبہ فنڈز ملنے کے باوجود غریب عوام کو سہولیات میسر نہیں ہیں، انہوں نے کہا کہ وہ عوام کی آواز بن کر تعلیم اور صحت کی سہولتیں دلوانے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔

(لالہ عبدالحلیم)

سندھ میں 40 لاکھ بچے تعلیم سے محروم

کراچی بچوں کی بہبود کے لیے کام کرنے والے اقوام متحدہ کے ادارے یونیسف کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان کے صوبہ سندھ میں پانچ سے بارہ سال کی عمر کے 40 لاکھ کے قریب بچے تعلیم کی بنیادی سہولت سے محروم ہیں۔ اقوام متحدہ کے ادارے یونیسف اور وفاقی محتسب کے نیشنل چلڈرن کمپلینٹ آفس کی جانب سے جاری کی گئی ایک حالیہ رپورٹ میں پاکستان کے تمام صوبوں اور دیگر انتظامی علاقوں میں خواندگی کی صورتحال کا جائزہ لیا گیا ہے۔ سندھ، بلوچستان، پنجاب، خیبر پختونخواہ، فاٹا، گلگت بلتستان اور پاکستانی زیر انتظام کشمیر کے بارے میں تعلیمی صورت حال سے متعلق اس رپورٹ کے مطابق پاکستان کے جنوبی صوبہ سندھ میں ایسے بچوں کی شرح سب سے زیادہ ہے جو اسکول نہیں جاتے۔ نیشنل کمشنر برائے چلڈرن کمپلینٹ آفس اعجاز احمد قریشی کے مطابق، ''صوبہ سندھ میں پانچ سے بارہ سال کی عمر کے تقریباً چالیس فیصد بچے اسکول نہیں جاتے۔ اس طرح ایسے بچوں کی تعداد چار ملین کے قریب بنتی ہے۔ اس کے علاوہ تعلیمی سطح پر لڑکیوں یا خواتین کی شرکت بھی ایک بڑا چیلینج ہے۔'' رپورٹ کے مطابق سندھ میں لڑکے اور لڑکیوں کے اسکول میں داخلوں کے تناسب میں بھی کافی زیادہ فرق ہے۔ یہ فرق دیہی علاقوں میں زیادہ نظر آتا ہے جہاں بچیوں کے پرائمری اسکولوں میں داخلوں کا تناسب صرف 31 فیصد تھا۔ رپورٹ میں بچیوں کے اسکولوں میں کم داخلوں کی وجوہات میں خواتین دوست سہولیات کی عدم دستیابی مثلاً علیحدہ بیت الخلاء، اسکول کی چار دیواری نہ ہونا اور خواتین اساتذہ کی کمی کو قرار دیا گیا ہے۔ یونیسف اور چلڈرن کمپلینٹ آفس کی اس رپورٹ کے مطابق تعلیم کی جانب راغب نہ ہونے کی وجوہات میں سب سے بڑی وجہ اسکولوں کی کمی، موجودہ اسکولوں کا ابتر انفراسٹرکچر، تعلیمی مواد اور کمیونٹی کی سطح پر بامعنی شرکت کا نہ ہونا شامل ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم نامکمل چھوڑنا، طالب علموں سے سیکھنے کے جس درجے کی توقع کی جاتی ہے اس کی عدم موجودگی اور غیر منظّم نجی اسکول بھی ناخواندگی کی بڑی وجوہات میں شامل ہیں۔ ساتھ ایشین فورم فار ایجوکیشن ڈویلپمنٹ (SAFED) کی ایک حالیہ رپورٹ میں بھی سندھ اور خصوصاً دیہی علاقوں میں خواندگی کی ابتر صورتحال کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ رپورٹ سندھ کے چھ اضلاع میں کیے جانے والے ایک جائزے کے بعد پیش کی گئی تھی۔ اس کے مطابق سندھ کے دیہی علاقوں میں 32 فیصد بچے اسکول جانے سے محروم ہیں اور اردو یا سندھی میں تحریر جملے نہیں پڑھ سکتے۔ ان اضلاع کے 66.5 فیصد بچے انگریزی میں لکھی تحریر نہیں پڑھ سکتے جبکہ 73 فیصد بچے سادہ دو عددی تفریق کے سوالات بھی حل نہیں کر سکتے۔ ایسے بھی کئی اسکول سامنے آئے ہیں جہاں بچوں کی تعداد ایک یا دو ہوتی ہے اور دس سے گیارہ ٹیچر اس اسکول میں پڑھاتے ہیں۔'' دوسری بڑی وجہ محکمہ تعلیم کے اہلکاروں کی بدعنوانی ہے۔ وہ ایسے اساتذہ کی ماہانہ تنخواہ کا چار فیصد لیتے ہیں اور کاغذات میں ان کی حاضری ظاہر کر دیتے ہیں۔ اس نظام کو یہاں ویزا سسٹم کہا جاتا ہے۔'' یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دو برس قبل سندھ ہائیکورٹ کی طرف سے تیار کی جانے والی ایک رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ صوبے کے 6,721 گورنمنٹ اسکول اس وقت کام نہیں کر رہے تھے۔ یہ رپورٹ ملکی سپریم کورٹ کی ہدایت پر ڈسٹرکٹ اور سیشن ججوں کی طرف سے متعلقہ علاقوں اور اسکولوں کے باقاعدہ معائنوں کے بعد تیار کی گئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق کُل 48 ہزار اسکولوں میں سے سات ہزار کے قریب ان اسکولوں کے لیے حکومت کی طرف سے مسلسل بجٹ فراہم کیا جا رہا تھا۔

(یونسیف)

لڑکی کے قاتلوں پر مقدمہ درج کر لیا گیا

ٹوبہ ٹیک سنگھ 30 نومبر کو مدرسے کی طالبہ ام البنین زہرہ کو قتل کرنے کے الزام میں مدرسے کے مہتمم، اس کی بیوی اور نامعلوم ملزموں کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔ ایک ہفتہ قبل ٹوبہ کے نواحی گاؤں چک 331 ج ب میں واقع مدرسہ جامعہ مہدیہ میں زیر تعلیم 15 سالہ ام البنین زہرہ مدرسہ کے ایک کمرے میں مردہ پائی گئی تھی۔ مقتولہ کے ماموں غلام عباس نے تھانہ سٹی ٹوبہ کو درخواست دی کہ اس کی بھانجی مذکورہ مدرسے میں زیر تعلیم تھی جس کے بارے میں 21 نومبر کو صبح کے وقت مدرسے کے مہتمم بشیر حسین عابدی نے فون پر بتایا کہ وہ جاں بحق ہو گئی ہے۔ غلام عباس نے کہا ہے کہ اس کی بھانجی کو گلا دبا کر قتل کیا گیا ہے، چونکہ یہ وقوعہ مدرسے کے اندر پیش آیا ہے اس لیے انہیں قوی شبہ ہے کہ اس کی بھانجی کو بشیر حسین اور اس کی بیوی نے قتل کیا ہے یا پھر انہیں ملزموں کے متعلق معلوم ہے۔ تھانہ سٹی پولیس نے غلام عباس کی درخواست پر مقدمہ درج کر کے کارروائی شروع کر دی ہے تاہم ابھی تک اس سلسلے میں کوئی گرفتاری عمل میں نہیں آ سکی۔

(نامہ نگار)

عمیرہ بلوچ کا موت کے کندھوں پر سفر

رزاق سربازی

''بلوچ گلوکار ہونا ڈراؤنے خواب سے کم نہیں۔ آپ عشق و محبت کے گانوں سے اُن لوگوں کو کیسے بہلا سکتے ہیں جو فوجی آپریشنوں میں اپنے بچوں کو کھو رہے ہیں۔ میرے دوستوں کی فہرست میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں جو سیاسی خیالات کے باعث لاپتہ کردیئے گئے ہیں۔ میں نے ان لوگوں کیلئے گایا جن کا درد سیاسی حالات کا پیدا کردہ تھا'' چالیس سالہ گلوکار حفیظ بلوچ اُن بلوچوں میں شامل ہیں، جن کے حصے میں جلاوطنی آئی۔

سویڈن کے شہر گوتھنبرگ میں رہائش پذیر یہ گلوکار بلوچی زبان کے گلوکاروں کی معروف نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

''چودہ اگست کے دنوں میں پاکستانی نغمے ٹی وی پر دیکھ کر، میں سوچتا تھا، میں نغمے گانے کیلئے پیدا نہیں ہوا۔ میں ایسا خوش نصیب کہاں، جس کو آزادی میسر ہو اور وہ اپنی آزادی پر اتراتا پھرتا ہو'' نیازمانہ سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے مزید کہا'' میں استاد عبدالستار بلوچ کا شاگرد رہا ہوں، جس نے ساری زندگی انقلابی گانے گائے۔ بلوچ گلوکاروں کی نئی نسل سے تعلق رکھنے والے بیشتر ان کی شاگردی سے مستفید ہوئے ہیں۔''

میں خوش ہوں، میرے بچے مجھ تک آپہنچے۔ انہوں نے اپنی فیملی کے سویڈن آنے کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔ مجھے اپنی شریک حیات عمیرہ بلوچ پر فخر ہے، وہ دو چھوٹے بچوں کو لے کر گھر سے نکلی، ایران، ترکی، یونان، مقدونیہ اور کتنے ملکوں کا تکلیف دہ سفر کرتے، یہاں پہنچیں۔ جو لوگ سوچتے ہیں، عورتیں کمزور ہوتی ہیں، انہوں نے اپنی اہلیہ کی طرف دیکھتے مسکراتے ہوئے کہا، نہیں، عمیرہ بلوچ بہادری کی ایک مثال ہے۔

''میرے لئے یہ فیصلہ آسان نہیں تھا'' عمیرہ بلوچ نے بتایا'' میں بچوں کو لے کر گھر سے چل پڑی۔ پاکستان میں، موت بلوچوں کیلئے نئی بات نہیں۔ اپنے شوہر کی قوم پرستانہ گلوکاری کے باعث میں نے پاکستان میں رہتے ہوئے بہت کچھ جھیلا۔ ذکری کمیونٹی سے تعلق ہونے کے باعث میں نے دوہری نفرت دیکھی ہے۔''

میں خوش ہوں، اپنے شوہر کیساتھ دوبارہ مل کر۔ عمیرہ بلوچ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

میں نیکراچی، پھر چابہار مغربی بلوچستان (ایران) سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ سفر کا احوال بتاتے ہوئے انہوں نے کہا تب میں نے سوچ رکھا تھا، اس طویل سفر میں، مجھے اپنے بچوں سمیت، موت بھی آسکتی ہے لیکن میں بلوچ عورتوں کی بہادری بھی دنیا کو دکھانا چاہتی تھی جو ہمیں جاہل کہہ کر ہمیشہ نظرانداز کرتے رہے ہیں۔

یہ سفر موت کے کندھوں پر بیٹھ کر آگے بڑھنے جیسا سفر تھا۔ عمیرہ بلوچ نے اپنے بچوں کو پیار کرتے ہوئے کہا'' میرے ایک بیٹے کا نام براہمدغ ہے۔ یہ نام میں نے اُس وقت رکھا، جب براہمدغ بگٹی پہاڑوں پر تھے۔''

مسلسل آٹھ دن پیدل چلنا پڑا۔ کہیں دونوں بچوں کو گود میں بٹھا کر گھوڑے پر سفر کیا۔ کہیں پلاسٹک کی کشتی میں بیٹھ کر گہرے سمندر عبور کئے۔

میں نے راستے میں، کافی بلوچ دیکھے۔ انہوں نے مزید بتایا'' وہ یونان یا مقدونیہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ گھر چھوڑنا شاید آسان نہیں لیکن بلوچ جہاں رہتے ہیں وہاں سیاسی حالات کے باعث ان کیلئے زندہ رہنا بھی مشکل ہے۔ وہ امن اور سکون کی تلاش میں نکل رہے ہیں۔ اپنی زندگی اپنی خواہش کے مطابق گزارنے کیلئے نکل رہے ہیں۔ میں خواہش کرتی رہی کہ ان کو بھی شامی، عراقی وافغانیوں کی طرح آگے بڑھنے کیلئے راستہ دیا جائے۔ (بشکریہ نیازمانہ)

جہد حق پڑھنے والے توجہ کریں

- آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا
  جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔
- آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کرکے بذریعہ ڈاک روانہ کرسکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کرکے لکھیں۔
- ہر شمارہ کی قیمت مبلغ =/5 روپیہ ہے
- سالانہ خریداروں کے لیے =/50 روپیہ ایسے خریدار پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (Human Rights Commission of Pakistan) کے نام صرف =/Rs.50 کا منی آرڈر یا ڈرافٹ (چیک قبول نہیں کیا جائے گا) ہمارے ہیڈ آفس کے پتہ پر روانہ کریں۔ پتہ یہ ہے:

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

''ایوان جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،

نیوگارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

'''جہد حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تاکہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جاسکے۔

جہد حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے اب ویب سائٹ پر بھی موجود ہیں۔ پتہ:

www.hrcp-web.org

مختلف واقعات میں دو افراد جاں بحق

صوابی زروبی کے علاقے میں نامعلوم مسلح افراد نے ایک شخص کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ رحیم خان نے ٹوپی پولیس کو بتایا کہ 6 دسمبر کو اس کے بھائی رئیس خان کو اس کے گھر کے قریب نشانہ بنایا گیا۔ رئیس خان کچھ روز پہلے اپنے خاندان کے ہمراہ کراچی سے صوابی آیا تھا۔ پولیس نے وقوعہ کا مقدمہ درج کر لیا۔ دریں اثنا، دگئی کے علاقے میں ایک شخص نے گھریلو ناچاقی پر اپنی بہن کو قتل کر دیا۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

اسلام آباد، 30 دسمبر: سلامتی سے متعلق قوانین اور انسانی حقوق کے اثرات

تین تشدد زدہ لاشیں برآمد

مسلم باغ 6 دسمبر 2015 کو مسلم باغ میں ایک پولیس اہلکار نے لاشیں ملنے کی تصدیق کرتے ہوئے بتایا کہ خورنی کے علاقے میں ایک ندی میں لاشوں کی موجودگی کی اطلاع ملی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ جس جگہ لاشیں پڑی تھیں وہاں بہت زیادہ خون نہیں تھا، جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان افراد کو کسی اور جگہ پر مارنے کے بعد یہاں ندی کے پاس اُن کی لاشیں پھینک دی گئیں۔ پولیس اہلکار نے بتایا کہ تینوں لاشیں خون میں لت پت تھیں جبکہ ان کے گلے پر رسی کے بھی نشانات تھے۔ اہلکار کا کہنا تھا کہ ان میں سے ایک کی عمر 55 سے 60 سال کے درمیان تھی اور اس کی سفید داڑھی تھی جبکہ دیگر افراد کی عمر 20 سے 35 سال کے درمیان تھی۔ پولیس اہلکار کے مطابق تاحال ان افراد کی شناخت نہیں ہوئی لیکن شکل سے بلوچ معلوم ہوتے تھے۔ اہلکار نے بتایا کہ تینوں نامعلوم افراد کی لاشوں کو شناخت کے لیے کوئٹہ منتقل کر دیا گیا ہے۔ صوبے کے مختلف علاقوں سے کمی و بیشی کے ساتھ لاشوں کی برآمدگی کا سلسلہ اب بھی جاری ہے لیکن بلوچستان کی موجودہ حکومت کا دعویٰ ہے کہ ان میں کمی آئی ہے۔ صوبائی حکومت نے رواں برس کے آغاز میں بتایا تھا کہ 2014 کے دوران صوبے سے 164 ایسی لاشیں ملی ہیں۔ تاہم پاکستان میں لاپتہ بلوچ افراد کے رشتہ داروں کی تنظیم وائس فار مسنگ بلوچ پرسنز نے اس دعوے کو مسترد کرتے ہوئے کہا تھا کہ گذشتہ برس کے دوران کل 435 بلوچ لاپتہ ہوئے جبکہ 455 افراد کی تشدد زدہ لاشیں برآمد ہوئیں۔ بلوچستان کے طول و عرض سے تشدد زدہ لاشوں کی برآمدگی کا سلسلہ 2008 میں شروع ہوا تھا تاہم ایسے واقعات کے مقدمات کے اندراج کا سلسلہ 2010 سے سپریم کورٹ کے حکم پر شروع ہوا تھا۔

(نامہ نگار)

گولیوں سے چھلنی نعش برآمد

مینگورہ 3 دسمبر کو سوات کی تحصیل مٹہ میں سابق صوبائی وزیر اور عوامی نیشنل پارٹی کے رہنما ایوب خان اشاری کی آتش زدہ اور متروکہ رہائش گاہ سے ایک شخص کی نعش برآمد ہوئی۔ ایک سرکاری اہلکار کا کہنا ہے کہ مدین کے 50 سالہ رہائشی ہارون میاں کی نعش ایک گھر سے برآمد ہوئی جسے تحریک طالبان پاکستان نے 2009ء میں دھماکے سے اڑا دیا تھا۔ پولیس اہلکار نعش کو ہسپتال لے گئے اور بتایا کہ مزید تفتیش جاری ہے۔ تاہم انہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ مقتول کو کہیں اور قتل کیا گیا۔ نعش گولیوں سے چھلنی اور مسخ شدہ تھی۔ ایوب خان نے رابطہ کرنے پر بتایا کہ وہ اور ان کا خاندان اب وہاں نہیں رہتا۔ جنگجوؤں نے اس گھر کو دھماکے سے اڑا دیا تھا جس سے یہ تباہ ہو گیا تھا۔ ایوب خان تحصیل مٹہ میں ہی اپنے گاؤں اشاری میں رہائش پذیر ہیں۔ مزید تحقیقات جاری ہیں۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

دیرینہ دشمنی پر ایک شخص قتل

ڈی آئی خان تھانہ کینٹ کی حدود میں واقع گاؤں کرم گڑھی میں دیرینہ دشمنی پر ایک شخص نجیب اللہ کو گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔ نجیب اللہ کی ماں نوروزادہ بی بی نے بتایا کہ 2 دسمبر کو اس کا بیٹا گھر واپس آ رہا تھا جب حسن، خراسان، پسران شاہ اور شرمت اللہ نے اس کے بیٹے پر فائرنگ کر دی جس سے وہ موقع پر جاں بحق ہو گیا۔ اسی روز ایک اور واقعے میں تھانہ بسیا خیل کی حدود میں واقع گاؤں کوٹکہ فیروز سورانی میں دیرینہ دشمنی پر یوسف زمان نامی شخص کو گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔ یوسف کے والد محمد زمان نے نور قد ایاز اور اختر نواز کے خلاف ایف آئی آر درج کرائی جس پر پولیس نے تفتیش شروع کر دی ہے۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

سیاسی جماعت کے رہنما کا بھائی ہلاک

کوئٹہ بلوچستان کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ کے پولیٹیکل سیکریٹری اور حکمران جماعت نیشنل پارٹی کے مرکزی رہنما خیر جان بلوچ کے بھائی کو 15 دسمبر کو نامعلوم مسلح افراد نے فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا ہے۔ ڈاکٹر شفیع بزنجو پر حملے کا واقعہ منگل کے روز آواران کی تحصیل جھاؤ میں پیش آیا۔ ضلع آواران کا شمار بلوچستان کے ان علاقوں میں ہوتا ہے جو شورش سے سب سے زیادہ متاثر ہیں۔ آواران میں انتظامیہ کے ذرائع کے مطابق ڈاکٹر شفیع بزنجو اپنے ایک رشتہ دار اور لیویز فورس کے دفعدار ملور خان کے ہمراہ ایک گاڑی میں جا رہے تھے کہ انھیں نشانہ بنایا گیا۔ انتظامیہ کے ایک اہلکار نے بتایا کہ نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے جھاؤ میں ان کی گاڑی پر حملہ کیا۔ اس حملے میں ڈاکٹر شفیع بزنجو ہلاک جبکہ لیویز فورس کا اہلکار زخمی ہو گیا۔ اس حملے کے محرکات تاحال معلوم نہیں ہو سکے۔ وزیر اعلیٰ ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ نے اس واقعے کی مذمت کرتے ہوئے اسے 'ایک انتہائی بہیمانہ اور شرمناک عمل' قرار دیا ہے۔ ایک بیان میں وزیر اعلیٰ نے کہا کہ پولیو مہم کے دوران خدمات سرانجام دینے والے بیگناہ معصوم شخص کے قتل کا کوئی جواز نہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ایسے عناصر پڑھے لکھے اور باشعور افراد کو قتل کر کے اپنے گھناؤنے چہروں کو عوام کے سامنے خود بے نقاب کر رہے ہیں۔ خیال رہے کہ ڈاکٹر شفیع بزنجو سرکاری ملازم تھے اور جھاؤ میں میڈیکل آفیسر کی حیثیت سے تعینات تھے۔

(نامہ نگار)

عورتیں

بچی پر تیزاب پھینک دیا گیا

حاصل پور ڈسٹرکٹ بہاولپور کی تحصیل حاصل پور کے محلہ غریب کی رہائشی ممتاز بی بی نے بتایا کہ 7 دسمبر کو محبوب علی زبردستی اس کے گھر داخل ہوا اور اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کمرہ میں لے جانے کی کوشش کی۔ مزاحمت پر اس پر تشدد کرنا شروع کر دیا اور تیزاب کی بوتل نکال کر اس کی بیٹی پر ڈال دیا جس سے اس کے چہرہ اور پاؤں جھلس گئے۔ پولیس نے مقدمہ درج کرلیا ہے۔ (نامہ نگار)

خاتون کی نعش برآمد

مانسہرہ 2 دسمبر کو ایک ویران علاقے سے ایک جواں سالہ خاتون کی نعش برآمد ہوئی جبکہ ایک شخص نے اپنی بیوی اور اس کے مبینہ آشنا کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ تناول کے علاقے میں دیہاتیوں نے دریائے سرن کے کنارے ریت میں دبی ہوئی ایک نعش دیکھ کر مقامی پولیس کو اطلاع دی۔ ان کا کہنا ہے کہ مسخ شدہ نعش ناقابل شناخت تھی۔ انہوں نے مزید کہا کہ نعش کو جنگ عبداللہ میڈیکل ہسپتال منتقل کر دیا گیا جہاں ڈاکٹروں نے پوسٹ مارٹم کے بعد بتایا کہ مقتولہ کی عمر 20 سال تھی۔ اس حوالے سے جب پولیس سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ایک خاندان جس کی بیٹی گزشتہ ایک ماہ سے لاپتا تھی، نے نعش کی شناخت کے لئے پولیس سے رابطہ کیا لیکن نعش ناقابل شناخت تھی۔ تاہم ان کا کہنا تھا کہ نعش اور خاندان کے ڈی این اے کے نمونے حاصل کر لئے گئے ہیں۔ ایک اور واقعے میں پولیس کے مطابق، ضلع تورغر کے علاقے بسی خیل میں شمس الحق نامی شخص نے اپنی بیوی انس اور اس کے مبینہ آشنا سلطان زر کو گولی مار کر قتل کر دیا۔ (ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

بہن کو قتل کر دیا

گوجرہ 8 دسمبر کو گھریلو جھگڑے کی بنا پر بھائی نے فائرنگ کر کے بہن کو قتل کر دیا۔ گوجرہ کے چک 310 ج ب کا طارق جاوید گھر پر تھا کہ اس کا اپنی 22 سالہ بہن آمنہ بی بی سے معمولی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ جھگڑے کے دوران طارق طیش میں آ گیا جس نے آمنہ پر فائرنگ کر دی۔ فائرنگ کے نتیجے میں آمنہ شدید زخمی ہوگئی اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے موقع پر ہی ہلاک ہوگئی۔ اطلاع ملنے پر صدر پولیس نے نعش قبضے میں لے کر پوسٹ مارٹم کے بعد ورثا کے حوالے کر دی اور مقدمہ درج کر کے ملزم کی تلاش شروع کر دی۔ (اعجاز اقبال)

بھابھی کو زخمی کر دیا

عمرکوٹ 28 نومبر کو تحصیل و ضلع عمرکوٹ کے علاقے بودر فارم میں دیور رمیش میگھواڑ نے اپنی 27 سالہ بھابھی شانتی زوجہ چھمن میگھواڑ کو گھریلو تکرار پر کلہاڑی کے وار کر کے زخمی کر دیا۔ متاثرہ عورت کو علاج و معالجے کے لیے تعلقہ ہسپتال سامارو میں داخل کرایا گیا۔ متاثرہ عورت کے بھائیوں اور لواحقین نے اس زیادتی کے خلاف احتجاجی مظاہرہ بھی کیا اور کہا کہ ظالم دیور ان کی بیٹی کو بلاوجہ مار پیٹ کر کے تشدد کا نشانہ بناتا رہتا تھا۔ متاثرہ خاتون کے خاندان کے لواحقین کی طرف سے معافی کے بعد ملزم کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کروائی گئی۔ (نامہ نگار)

بیوی کو قتل کر دیا

بہاولپور ڈسٹرکٹ بہاولپور کی تحصیل صدر کے علاقہ ڈیرہ بکھا کے رہائشی محمد نعیم نے گھریلو ناچاقی پر اپنی بیوی صفیہ بی بی کو چھری کے وار کر کے قتل کر دیا۔ محمد نعیم کے ماموں رشید کی 17 سالہ بیٹی صفیہ بی بی سے ڈیڑھ سال قبل شادی ہوئی تھی۔ صفیہ بی بی کی بہن رضیہ نے بتایا کہ صفیہ بی بی میکے آئی ہوئی تھی کہ محمد نعیم بھی گزشتہ روز آ گیا۔ دونوں کے درمیان کسی بات پر تکرار ہوئی جس پر محمد نعیم نے چھری سے حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور جب وہ اپنی بہن کو بچانے آئی تو ملزم نے اس پر بھی حملہ کر دیا جس سے وہ شدید زخمی ہوگئی۔ پولیس نے ملزم نعیم کو گرفتار کر کے لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے ہسپتال منتقل کر دیا۔ (نامہ نگار)

بھائی کے ہاتھوں بہن قتل

اسلام آباد پاکستان کے وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے نواحی علاقے میں بلدیاتی انتخابات میں اجازت کے بغیر ووٹ ڈالنے پر بھائی نے بہن کو قتل کر دیا ہے۔ اس مقدمے کے تفتیشی افسر اور اسلام آباد کے نواحی علاقے ٹیکسلا چوکی کے انچارج محمد ایوب نے بی بی سی کو بتایا کہ مقتولہ آصفہ نورین پاکستان کے زیرِ انتظام کشمیر کے علاقے فارورڈ کہوٹہ کی رہائشی تھیں اور وہ ٹیکسلا میں پرائمری سطح کا ایک نجی سکول چلاتی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ اس علاقے میں منتقل ہونے سے پہلے آصفہ نورین اسلام آباد کے نواحی علاقے سرائے خربوزہ میں رہائش تھی جہاں پر اُن کے اور اہلخانہ کے ووٹ رجسٹرڈ ہوئے تھے۔ اس مقدمے کے تفتیشی افسر کے بقول پیر کے روز وفاقی دارالحکومت میں ہونے والے بلدیاتی انتخابات میں ووٹ ڈالنے کے لیے اس یونین کونسل میں پہنچی جہاں پر اُن کا ووٹ رجسٹرڈ تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ 30 نومبر کو مقتولہ جب ووٹ ڈال کر گھر واپس آئی تو آصفہ نورین کا بھائی ملزم دانش علی کو جو فروٹ کی ریڑھی لگاتا ہے، جب اس بات کا علم ہوا تو وہ گھر آیا اور اس نے اپنی بہن سے پوچھا کہ وہ اجازت کے بغیر کیوں ووٹ ڈالنے گئی۔ تفتیشی افسر کا کہنا تھا کہ مقتولہ کی سہیلی ان بلدیاتی انتخابات میں حصہ لے رہی تھی جس پر ان دونوں کے درمیان تکرار ہوگئی۔ پولیس افسر کا کہنا ہے کہ ملزم نے طیش میں آ کر پستول سے فائرنگ کر دی جس سے آصفہ نورین موقع پر ہی ہلاک ہوگئی جبکہ ملزم اسلحہ سمیت جائے حادثہ سے فرار ہوگیا۔ پولیس نے خاتون کے قتل کا مقدمہ اُس کے والد خورشید خان کی مدعیت میں درج کر لیا ہے جبکہ ملزم کی گرفتاری کے لیے چھاپے مارے جا رہے ہیں تاہم ابھی تک گرفتاری عمل میں نہیں آسکی۔

(نامہ نگار)

دو خواتین کی نعشیں برآمد

نوشہرہ 30 نومبر کو ضلع میں دو مختلف واقعات میں دو خواتین کی نعشیں برآمد ہوئیں۔ سب انسپکٹر سلیم خان کا کہنا ہے کہ انہیں ایک مقامی شخص نے فون پر اطلاع دی کہ ضلع نوشہرہ کے علاقے خیشگی کے شیخ احمد قبرستان میں ایک جواں سالہ خاتون کی نعش پڑی ہوئی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ مقتولہ جس کی عمر 23 سال تھی اور اسے گلا دبا کر قتل کیا گیا تھا۔ اسے پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال منتقل کیا گیا تاہم اس کی شناخت نہیں ہوسکی۔ دریں اثنا، ایک پولیس پارٹی جس کی سربراہی اسسٹنٹ سب انسپکٹر عامر خان کر رہے تھے، کو فون پر دریائے کابل کے کنارے ایک اور جواں سالہ خاتون کی نعش کی موجودگی کی اطلاع دی گئی۔ ایک پولیس اہلکار کا کہنا ہے کہ اسے گلا دبا کر قتل کیا۔ مقتولہ کی نعش کو پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

خاتون کو قتل کر دیا گیا

حاصل پور بہاولپور کی تحصیل حاصل پور کے علاقہ جمال پور کی بستی علی پور کے رہائشی اللہ رکھا نے بتایا کہ اس کی بیٹی نسرین مائی کی شادی اللہ دتہ سے ہوئی تھی لیکن گزشتہ ہفتہ کو اس کی بیٹی ایک ہمسائے حق نواز کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی جس پر نسرین مائی کے چچا اور بھائی محمد عباس نے حق نواز کے والد فتح محمد سے رابطہ کیا اور لڑکی کو واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ گزشتہ روز نسرین مائی کو حق نواز نے گھریلو دباؤ پر واپس کر دیا لیکن اگلے روز 3 دسمبر کو حق نواز نے پولیس کو بتایا کہ نسرین مائی نے خودکشی نہیں کی بلکہ اسے اس کے باپ اللہ رکھا بھائی محمد عباس اور چچا نے قتل کر دیا۔ تھانہ قائم پور کے ایس ایچ او محمد اسلم بلوچ کی مدعیت میں پولیس نے لڑکی کے ورثاء پر مقدمہ درج کر لیا۔ حق نواز لڑکی کے قتل پر آپے سے باہر ہو گیا اور اس نے اپنے والد فتح محمد اور لڑکی کے والد اللہ رکھا اور بھائی سے انتقام لینے کی دھمکی دی جس پر نسرین کے والد اللہ رکھا نے حق نواز کے خلاف تھانہ میں مقدمہ درج کرنے کے لیے درخواست دے دی۔ حق نواز نے بتایا کہ نسرین کے والد بھائی اور خاوند نے غیرت میں آکر اسے قتل کر دیا۔

(نامہ نگار)

لڑکیوں کی فروخت میں سنگین اضافہ

عمرکوٹ سندھ کے اضلاع عمرکوٹ، تھرپارکر اور سانگھڑ میں کم عمر لڑکیوں کو شادی کیلئے فروخت کرنے کے رجحان میں خطرناک اضافے پر سول سوسائٹی کے رہنماؤں نے تشویش ظاہر کر دی۔ سماجی کارکنوں عبدالکریم منگریو، میر حسن، خواتین ایکشن فورم کی راشدہ سند، بنسی ملھی اور 'کم عمر بچیوں کو شادی کیلئے فروخت کرنے سے بچانے کی کمیٹی' کے ارکان نے پیر کو ایک پریس کانفرنس میں حکومت سے مطالبہ کیا کہ بچوں کی زندگی بچانے کے قوانین پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے۔ پریس کانفرنس میں بتایا گیا کہ 2014-15 میں 200 سے زائد بچیوں کو رحیم یار خان، صادق آباد، ڈہرکی، گھوٹکی اور دوسرے علاقوں میں شادیوں کیلئے زائد العمر لوگوں کو فروخت کیا گیا۔ رضا کاروں نے اس کی بڑی وجہ والدین کا لالچ اور انتہائی غربت کو قرار دیتے ہوئے بتایا کہ چار سے چودہ سال کے درمیان لڑکیوں کو دس لاکھ سے لے کر چالیس لاکھ روپوں کے عوض فروخت کیا گیا۔ رضا کاروں کے مطابق، ان بچیوں کو خریدنے والے انہیں عموماً بطور ملازم استعمال کرتے ہیں اور اکثر واقعات میں یہ بچیاں جان سے بھی گئیں۔ پریس کانفرنس میں بتایا گیا کہ 2014 میں سندھ حکومت نے 'سندھ شادی بل' متعارف کرایا تھا۔ تاہم، پولیس کی ہچکچاہٹ کی وجہ سے اس قانون پر اب تک عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ پانچ دن قبل رضا کار عبدالکریم منگریو نے عمرکوٹ میں ہونے والی ایک کم عمر شادی کی مثال بھی دی۔ منگریو نے جب اس حوالے سے ضلعی اور سیشنز کورٹ کے جج سید ناصر الدین شاہ سے رابطہ کیا تو انہوں نے پولیس کو شادی کی تقریب پر چھاپے کی ہدایت کی۔ رضا کاروں نے بتایا کہ پولیس نے دولہا، دلہن اور تقریب کے دوسرے شرکا کو گرفتار کرتے ہوئے منگریو کی شکایت پر مقدمہ درج کر لیا۔ منگریو کے مطابق، مقدمہ درج ہو چکا ہے لیکن پولیس ملزم کی حمایت کر رہی ہے اور پاکستان پیپلز پارٹی کی کچھ بااثر شخصیات عینی شاہدین اور ان پر مقدمہ واپس لینے کیلئے دباؤ ڈال رہی ہیں۔ منگریو نے کہا کہ ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ معصوم بچیوں کی زندگی تباہ کرنے والی اس سماجی برائی کے خلاف کارروائی کرے۔

(بشکریہ ڈان اردو)

ملک کی پہلی خاتون اسپیکر صوبائی اسمبلی منتخب

کوئٹہ حکمران جماعت پاکستان مسلم لیگ (ن) کی راحیلہ حمید خان درانی بلا مقابلہ بلوچستان اسمبلی کی پہلی خاتون اسپیکر منتخب ہو گئیں۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان ڈاکٹر عبدالمالک بلوچ کے مستعفی ہوتے ہی صوبے میں مری معاہدے پر عملدرآمد شروع ہو گیا ہے۔ پہلے مرحلے میں اسمبلی اسپیکر کا انتخاب ہوا جس میں راحیلہ حمید خان درانی منتخب ہوئیں، وہ بلوچستان اسمبلی کی 14 ویں اسپیکر ہیں۔ اسپیکر کے انتخاب کے لیے مقررہ وقت میں راحیلہ حمید خان درانی کے علاوہ کسی بھی امیدوار نے کاغذات نامزدگی جمع نہیں کروائے تھے۔ جمعیت علمائے اسلام (جے یو آئی) فضل الرحمن گروپ کے مفتی گلاب خان نے بھی اسپیکر کے لیے کاغذات نامزدگی جمع کروانے تھے لیکن وہ 30 منٹ تاخیر سے پہنچے، وقت ختم ہونے کے باوجود اپوزیشن ارکان نے اسپیکر سے امیدوار کے لیے کاغذات وصول کرنے پر اصرار کیا، تاہم پریزائیڈنگ افسر آغا لیاقت نے مفتی گلاب کے کاغذات مسترد کر دیئے۔ اسپیکر کا حلف اٹھانے کے بعد راحیلہ حمید خان درانی کا کہنا تھا کہ بلوچستان میں خواتین کو بہت زیادہ عزت دی جاتی ہے اور صوبائی اسمبلی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بلوچستان میں خواتین کو برابری اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ راحیلہ حمید خان درانی نے مزید کہا کہ بلوچستان کے ساتھ ساتھ پاکستان کی تاریخ میں بھی پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ کسی صوبائی اسمبلی میں خاتون کو اسپیکر بنایا گیا ہے۔ ڈان نیوز کے مطابق جے یو آئی (ف) کے مفتی گلاب خان نے الزام لگایا کہ اسپیکر کا بلا مقابلہ انتخاب غیر آئینی ہے۔ مفتی گلاب خان نے مزید کہا کہ انتخاب کے لیے پریزائیڈنگ افسر کی جانب سے نوٹیفکیشن جاری نہیں کیا گیا تھا۔ خیال رہے کہ پاکستان میں اس سے قبل پیپلز پارٹی کی حکومت میں 2008 سے 2013 تک فہمیدہ مرزا قومی اسمبلی کی اسپیکر رہ چکی ہیں۔ بلوچستان اسمبلی کی اسپیکر منتخب ہونے والی راحیلہ حمید خان درانی 2002 سے 2007 تک مسلم لیگ (ق) کی رکن صوبائی اسمبلی رہ چکی ہیں جبکہ 2013 کے انتخابات سے قبل وہ مسلم لیگ (ن) میں شامل ہوئی تھیں۔ مری معاہدے کے تحت بلوچستان کے نئے وزیر اعلیٰ نواب ثناء اللہ زہری ہوں گے، ان کا انتخاب بھی بلا مقابلہ ہونے کا امکان ہے۔ بلوچستان کی تاریخ میں پہلی بار متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر مالک بلوچ تقریباً ڈھائی سال تک وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز رہے۔ ڈاکٹر مالک بلوچ کے دور میں صوبے میں امن وامان کی صورتحال میں کسی حد تک بہتری آئی اور ناراض بلوچ قیادت سے بات چیت کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔

(بشکریہ ڈان اردو)

خواتین کو کام کی جگہ پر بہتر ماحول فراہم کیا جائے

حیدرآباد 11 دسمبر کو سماجی تنظیم آئی ڈی پی نے یو ایس ایڈ اور عورت فاؤنڈیشن کے تعاون سے ایکٹویٹی پروگرام کے تحت جی ای بی کے تحت سندھ بار کونسل ایسوسی ایشن کے وکلاء کے ساتھ مقامی ہوٹل میں ورکشاپ کا انعقاد کیا۔ سندھ بار کونسل کے نو منتخب جنرل سیکرٹری امداد علی ابڑو، آباد کی ایگزیکٹو ڈائریکٹر فاعہ بنگش، ایاز راجر اور سی آئی ڈی پی کے چیئرمین عبدالستار اور دیگر نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کام کرنے والی جگہوں پر خواتین کو دوستانہ ماحول فراہم کیا جائے تاکہ وہ بغیر کسی خوف وخطرے کے اپنا کام کر سکیں، کیونکہ خواتین ملک وقوم کے لیے اہم کردار ادا کر رہی ہیں اس لیے ہم سب کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم ان کی حفاظت کریں اور ان کو محفوظ اور پر امن ماحول فراہم کر سکیں اور ہم ان خواتین کو ان کے حوالے آگاہی فراہم کر سکیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارے معاشرے میں خواتین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ دفاتر، فیکٹریوں اور دیگر اداروں میں کام کرنے والی خواتین کو متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ خواتین کو دوستانہ ماحول فراہم کیا جائے اور انہیں ان کے بنیادی حقوق فراہم کئے جائیں۔

(لالہ عبدالحلیم)

کم سن طالبہ کا ریپ، تمام ملزمان گرفتار

لاہور لاہور میں کم عمرلڑکی کے ریپ کے مقدمے میں نامزد تمام ملزمان کو گرفتار کرلیا گیا۔لاہور میں سی سی پی او آفس میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے ڈی آئی جی آپریشنز ڈاکٹر حیدر اشرف نے دعویٰ کیا کہ ریپ کیس میں نامزد مرکزی ملزم عدنان ثنااللہ کو واقعے کے 48 گھنٹے کے اندر گرفتار کرلیا گیا۔انہوں نے بتایا کہ ہوٹل مینیجر عمران سمیت ریپ کیس میں نامزد تمام ملزمان گرفتار ہوچکے ہیں اور اب کسی ملزم کو گرفتار کرنا باقی نہیں ہے۔پولیس ذرائع نے ڈان کو بتایا کہ عدنان ثنااللہ نے، پاکستان مسلم لیگ (ن) کے سینیئر رہنما کی جانب سے شفاف تحقیقات کی یقین دہانی کے بعد، خود کو پولیس کے حوالے کیا۔قبل ازیں پنجاب پولیس فرانزک ایجنسی نے واقعے میں ملوث 6 ملزمان اور زیادتی کا شکار طالبہ کے ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے نمونے حاصل کیے۔واضح رہے کہ تین 25 دسمبر کو ملتان روڈ کی رہائشی 15 سالہ لڑکی کو 10 افراد نے اغوا کے بعد لاہور کے علاقے مال روڈ کے قریب ایک ہوٹل میں مبینہ طور پر گینگ ریپ کا نشانہ بنایا تھا۔متاثرہ لڑکی نے اپنے بیان میں الزام لگایا تھا کہ واقعے کا مرکزی ملزم وزیر تعلیم پنجاب رانا مشہود کا پرسنل اسٹاف آفیسر (پی ایس او) ہے۔تاہم رانا مشہود نے اپنے بیان میں عدنان ثنااللہ سے کسی بھی طرح کے تعلق کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اپنی سیاسی سرگرمیوں کے باعث کئی لوگوں سے ملتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان کے ذاتی فعل کے ذمہ دار ہیں۔انہوں نے بتایا کہ کیس کے مرکزی ملزم نے ان سے بلدیاتی انتخاب کے دوران چیئرمین کی نشست کے لیے ٹکٹ مانگا تھا، تاہم پارٹی نے اس کے ماضی کو دیکھتے ہوئے اسے ٹکٹ دینے سے انکار کردیا تھا۔پولیس کا کہنا تھا کہ لڑکی کو مبینہ طور پر نشہ آور مشروب بھی پلایا گیا جبکہ ابتدائی طبی معائنے میں لڑکی کے ریپ کی تصدیق ہوئی۔متاثرہ لڑکی کو تشویشناک حالت میں لاہور کے سروسز ہسپتال منتقل کیا گیا تھا۔

(بشکریہ ڈان اردو)

غیرت کے نام پر قتل، 'مقدمات اے ٹی سی بھیجے جائیں'

کوئٹہ بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس محمد نور میسکانزئی کا کہنا ہے کہ خواتین کے حقوق کا تحفظ یقینی بنایا جائے اور مستقبل میں غیرت کے نام پر قتل کے مقدمات کی سماعت انسداد دہشت گردی کی عدالتیں (اے ٹی سی) کریں۔سبی میں اے ٹی سی کمپلیکس اور وہاں ججز کی رہائش گاہوں کی تعمیر کے حوالے سے منعقدہ ایک افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے انھوں ں ے کہا کہ 'یہ عدلیہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ آئین کے مطابق قانون کے نفاذ اور اس کی حکمرانی کو یقینی بنائے۔ایسے مقدمات جو کہ غیرت کے نام پر قتل کے حوالے سے ہیں ان کی آئندہ سماعت انسداد دہشت گردی کی عدالتوں میں کی جائیں'۔انھوں نے کہا کہ خواتین کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنایا جائے اور عدلیہ اس کی مانیٹرنگ کرے۔چیف جسٹس محمد نور نے حکام کو صوبے بھر کی تمام عدالتوں میں خواتین کے لیے انتظار گاہ کی تعمیر کرنے کی ہدایت کی۔انھوں نے کہا کہ پاکستان میں خواتین اپنے بنیادی تمام حقوق سے محروم ہیں۔ان کا کہنا تھا کہ 'یہ انتہائی بری روایت ہے کہ خواتین کو غیرت کے نام پر قتل کرنے کے مسئلے پر معاشرہ سمجھوتہ کرلیتا ہے'۔بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے کہا کہ 'پہلے خواتین کو غیرت کے نام پر قتل کردیا جاتا ہے اور پھر سودے بازی کے بعد قاتلوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے'۔ان کا کہنا تھا کہ عدلیہ مستقبل میں ایسی ناانصافیوں کی اجازت نہیں دے گی۔چیف جسٹس نے کہا کہ 'عدلیہ انصاف کو یقینی بنائے گی اور مجرموں کو کٹہرے میں لایا جائے گا'۔چیف جسٹس محمد نور کا کہنا تھا کہ ایک خاتون کو قتل کرنا شرمناک اور بزدلانہ اقدام ہے اور مستقبل میں ایسے تمام مقدمات اے ٹی سی میں سماعت کے لیے پیش کیے جائیں گے تاکہ ذمہ داران کی سزا کو یقینی بنایا جاسکے۔ان کا کہنا تھا کہ وکلاء عوام کے جذبات کو آواز دیتے ہیں اور انصاف کی فراہمی میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔بلوچستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس نے اس اُمید کا اظہار کیا کہ جوڈیشل کمپلیکس جلد تعمیر کرلیا جائے گا۔تقریب کے شرکاء میں جسٹس محمد ہاشم کاکڑ، ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج راشد محمود، سینئر ججز اور ضلعی انتظامیہ کے دیگر حکام موجود تھے۔

(بشکریہ ڈان اردو)

بچے

بچوں کا عالمی دن

شہداد کوٹ 20 نومبر کو 'بچوں کے حقوق' کے عالمی دن کے موقع پر ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (ایچ آر سی پی) کور گروپ سے سول سوسائٹی کی تنظیموں اور جوائنٹ ایکشن کمیٹی (جے اے سی) کے ساتھ مل کر بچوں کے حقوق اور سول سوسائٹی کے موضوع پر پروگرام منعقد کیا۔اس موقع پر افتخار حسین منگی نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بچوں کے حقوق دیے بغیر معاشرہ ترقی نہیں کرسکتا، ایک انہوں نے مزید کہا کہ بچوں کے حقوق کی خلاف ورزی روز کا معمول بن چکی ہے جس سے معاشرہ مسائل کا شکار بن چکا ہے۔انہوں نے حکومت سے چائلڈ رائٹس کنوینشن سی آر سی پر عمل کرانے کا مطالبہ کیا۔اس موقع پر ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان ایچ آر سی پی کور گروپ کے ندیم جاوید منگی نے کہا کہ جس معاشرے میں بچوں کے حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے وہاں پر پرامن معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔انہوں نے مزید کہا کہ بچے کے مستقبل کے معمار ہوتے ہیں مگر پاکستان میں بڑھتے ہوے تشدد کے زد میں بچے بڑے ہوکر خود تشدد کرتے ہیں کیونکہ انہیں معاشرے نے خود تشدد کرنا سکھایا ہے۔انہوں نے حکومت سے بچوں کے حقوق پر عملدرآمد کرنے کا مطالبہ کیا۔پروگرام میں سول سوسائٹی کے افراد وقار حیدر منگی، سائرہ خان اور انجمن آرا نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے بچوں کو حقوق دینے کا مطالبہ کیا ہے۔

(نامہ نگار)

کاری، کاروکہہ کر مارڈالا:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور ''جہد حق'' کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 25 نومبر سے 24 دسمبر تک 13 افراد پر کاروکاری کا الزام لگا کر قتل کر دیا گیا۔ جن میں 8 خواتین اور 5 مرد شامل ہیں۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	آلہ واردات	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	واقعہ کی بظاہر کوئی اور وجہ	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
یکم دسمبر	صدوراں خروس	خاتون	-	-	آچر خروس اور ساتھی	بندوق	چچا	بنڈھو فیض محمد، کنگری، خیر پور میرس۔ سندھ	-	درج	نہیں	روزنامہ کاوش
02 دسمبر	رشید عمرانی	مرد	25 برس	-	-	-	-	چنہ موری، ٹنڈو آدم۔ سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
02 دسمبر	حسنا مگسی	خاتون	-	شادی شدہ	محمد رحیم مگسی	-	خاوند	گوٹھ مصطفیٰ مگسی، میروخان، قمبر۔ سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
08 دسمبر	ابل خیر لنڈ	مرد	40 برس	-	-	-	-	گوٹھ دوست محمد لنڈ، میر پور ماتھیلو، گھوٹکی۔ سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
09 دسمبر	نصیباں بنگوار	خاتون	-	شادی شدہ	بلوچ بنگوار	گلا گھونٹ کر	خاوند	گبلو، کشمور۔ سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
10 دسمبر	رخسانہ بھٹی	خاتون	24 برس	شادی شدہ	صفدر بھٹی اور ساتھی	گلا گھونٹ کر	خاوند	بندر روڈ سکھر۔ سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
13 دسمبر	شبیراں شر	خاتون	-	شادی شدہ	مٹھو شر اور ساتھی	بندوق	خاوند	رانوتی، اوباوڑو، گھوٹکی۔ سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
14 دسمبر	ناصر شاہ	مرد	-	شادی شدہ	نورل جتوئی اور ساتھی	بندوق	-	لاڑکانہ۔ سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
14 دسمبر	مبارک شیخ	مرد	-	شادی شدہ	چوہان برادری	بندوق	-	لوکل بورڈ سکھر۔ سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
14 دسمبر	رشیداں رند	خاتون	30 برس	شادی شدہ	امجد علی رند	بندوق	خاوند	ولی داد رند، کوٹ ڈیجی، خیر پور میرس۔ سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
16 دسمبر	-	خاتون	-	شادی شدہ	مسلح افراد	بندوق	-	قاضی احمد، نواب شاہ۔ سندھ	-	درج	-	روزنامہ کاوش
20 دسمبر	فضل الرحمان بروہی	مرد	-	-	مسلح افراد	بندوق	-	شاہی باغ شکار پور۔ سندھ	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
21 دسمبر	حبیباں دستی	خاتون	20 برس	شادی شدہ	بصیر الدین دستی	کلہاڑی	خاوند	گوٹھ خیر بخش دستی، گڑھی خیرو، جیکب آباد۔ سندھ	-	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش

جنسی تشدد کے واقعات:

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہدحق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی جانے والی رپورٹوں کے مطابق 7 نومبر سے 24 دسمبر تک 120 افراد کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ جنسی زیادتی کا شکار ہونے والوں میں 72 خواتین شامل ہیں۔ 62 واقعات کے مقدمات درج کیے گئے اور 3 واقعات میں ملوث افراد گرفتار ہوئے۔

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت /مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج /نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
7نومبر	۔	خاتون	۔	۔	۔	اہل علاقہ	کاہنہ، لاہور	درج	۔	جنگ
8نومبر	۔	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	گاؤں عظمت، پاکپتن	درج	۔	جنگ
8نومبر	۔	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	علی اعجاز	اہل علاقہ	چک 12/1اے ایل، اوکاڑہ	درج	۔	جنگ
8نومبر	۔	بچی	13برس	غیرشادی شدہ	عمران	اہل علاقہ	نواز پنڈ، فیروزوالا	درج	۔	ایکسپریس
8نومبر	۔	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	نثاراحمد	اہل علاقہ	تھانہ علی ٹاؤن، فیصل آباد	درج	۔	جنگ
8نومبر	۔	مرد	۔	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	۔	۔	گرفتار	نوائے وقت
9نومبر	احسان	بچہ	11برس	غیرشادی شدہ	زاہد، راشد، اعظم	اہل علاقہ	بلوکی، حبیب آباد	۔	۔	نوائے وقت
9نومبر	حیدر	بچہ	۔	غیرشادی شدہ	امین	اہل علاقہ	547 گ ب، گڑھ، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
9نومبر	مظہر	بچہ	۔	غیرشادی شدہ	زمان	اہل علاقہ	59 گ ب، صدر جڑانوالہ، فیصل آباد	۔	۔	نوائے وقت
9نومبر	ص	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	حنیف	اہل علاقہ	بستی جھنڈے والی، سلطان مظفر گڑھ	درج	گرفتار	خبریں ملتان
10نومبر	غلام زہری چنہ	مرد	50برس	شادی شدہ	نامعلوم افراد	اہل علاقہ	ٹھری میرواہ، خیرپور میرس	درج	۔	روزنامہ کاوش
10نومبر	ر	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	حنیف	اہل علاقہ	بستی جھنڈے والی، سلطان مظفر گڑھ	درج	گرفتار	روزنامہ خبریں ملتان
10نومبر	حبیب	بچہ	۔	غیرشادی شدہ	نعیم	اہل علاقہ	قصبہ نین سکھ، کوٹ عبدالمالک	۔	۔	نوائے وقت
10نومبر	۔	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	رضوان	اہل علاقہ	علی پور، حبیب آباد	۔	۔	نوائے وقت
10نومبر	عظمیٰ	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	عبدالحق، افتخار	اہل علاقہ	حبیب آباد	۔	۔	نوائے وقت
10نومبر	۔	خاتون	۔	شادی شدہ	اسلم، بشیر	اہل علاقہ	کوٹ لکھپت، لاہور	درج	۔	نوائے وقت
10نومبر	طاہرہ	خاتون	۔	شادی شدہ	جاوید، نفیس	اہل علاقہ	بستی محمد پور، گکو منڈی	درج	گرفتار	جنگ
10نومبر	س	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	تنویر	اہل علاقہ	محلّہ عزیز آباد، بورے والا	۔	۔	خبریں
11نومبر	س	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	عظیم	اہل علاقہ	رائے کلاں، قصور	درج	۔	دنیا
11نومبر	ش	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	شہباز، نوید	اہل علاقہ	تھانہ فاضل پور، راجن پور	درج	۔	خبریں ملتان
12نومبر	۔	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	۔	اہل علاقہ	تلہری، مظفر گڑھ	۔	۔	نئی بات
13نومبر	ح	خاتون	۔	غیرشادی شدہ	مہران الحسن	۔	جامعہ اسلامیہ، بہاولپور	درج	گرفتار	خواجہ اسداللہ

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
14نومبر	ک	بچی	10برس	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	چک53 گ ب، جڑانوالہ	ـ	ـ	جنگ
14نومبر	ص	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	چھٹی کوٹھی، شیخوپورہ	ـ	ـ	نوائے وقت
14نومبر	م	بچی	10برس	غیرشادی شدہ	گل شیر	اہل علاقہ	جھاکے، لاہور روڈ، فیصل آباد	ـ	ـ	نوائے وقت
14نومبر	بلقیس	خاتون	ـ	شادی شدہ	محمد حسین کھوکھر	اہل علاقہ	چک نمبر273 ای بی، وہاڑی	ـ	ـ	نوائے وقت
14نومبر	ح	خاتون	ـ	شادی شدہ	عمران	دیور	ٹبہ سلطان پور، وہاڑی	ـ	ـ	نوائے وقت
14نومبر	ن	خاتون	ـ	شادی شدہ	قیصر، غلام حسین	اہل علاقہ	ماہڑہ شہر روہیلانوالی	درج	گرفتار	خبریں
15نومبر	فرحان	بچہ	12برس	غیرشادی شدہ	مقبول حسین	ـ	اعوان چوک، خانیوال	درج	ـ	خبریں
15نومبر	ی	خاتون	ـ	شادی شدہ	سجاد، جاوید، بلال	اہل علاقہ	خان گڑھ	درج	ـ	خبریں
16نومبر	ذیشان	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	عامر سہیل	اہل علاقہ	81ج ب، فیصل آباد	درج	ـ	خبریں
16نومبر	محمد عنصر	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	شاہد حنیف	اہل علاقہ	گاؤں صدیق آباد، موڑ کھنڈا	درج	ـ	ایکسپریس
16نومبر	ز	خاتون	ـ	ـ	حاکم علی	اہل علاقہ	محلّہ حیات، پھولنگر	ـ	ـ	نوائے وقت
16نومبر	ر	خاتون	ـ	ـ	مرد	اہل علاقہ	پاکپتن	ـ	ـ	نوائے وقت
16نومبر	شیر علی	مرد	ـ	غیرشادی شدہ	نذیر احمد، ارشاد احمد	اہل علاقہ	محلّہ شکاری احمد پور شرقیہ	درج	ـ	خبریں ملتان
16نومبر	نوید	بچہ	9برس	غیرشادی شدہ	امین	اہل علاقہ	موضع صبرہ، ڈیرہ غازی خان	درج	گرفتار	خبریں ملتان
17نومبر	میلاد	بچہ	ـ	غیرشادی شدہ	امین	اہل علاقہ	چک545 گ ب، کنجوانی	ـ	ـ	نوائے وقت
17نومبر	سلمان	مرد	16برس	غیرشادی شدہ	صدام	اہل علاقہ	سلانوالی	ـ	ـ	نوائے وقت
17نومبر	س	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	خرم	اہل علاقہ	قلعہ ہری چند، دیپالپور	ـ	ـ	نوائے وقت
19نومبر	الف	بچی	13برس	غیرشادی شدہ	ارشاد بروہی اور بلاول بروہی	اہل علاقہ	گڑھی خیرو، جیکب آباد	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
21نومبر	سمیر مگنیجو	بچہ	5برس	غیرشادی شدہ	اشفاق سومرو	اہل علاقہ	گوٹھ احمد میاں سومرو، جیکب آباد	درج	ـ	روزنامہ کاوش
20نومبر	س	خاتون	ـ	شادی شدہ	نوید	اہل علاقہ	قلعہ ہری چند، دیپالپور	ـ	ـ	نوائے وقت
20نومبر	ش	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	انوار	اہل علاقہ	پاکپتن	ـ	ـ	نوائے وقت
20نومبر	ن	خاتون	ـ	ـ	اعتزاز	اہل علاقہ	ڈنگہ	ـ	ـ	نوائے وقت
22نومبر	محرم علی	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	ندیم	اہل علاقہ	گاؤں چاند، نارنگ منڈی	ـ	ـ	دنیا
22نومبر	علی مقبول	بچہ	9برس	غیرشادی شدہ	ناصر	اہل علاقہ	ڈپٹی والا، شاہکوٹ	ـ	ـ	نوائے وقت
22نومبر	ت	خاتون	ـ	غیرشادی شدہ	عمیر	اہل علاقہ	راولپنڈی	ـ	ـ	خبریں

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
23نومبر	ن	خاتون	ـ	ـ	واجد، لیاقت	اہل علاقہ	عزیز شریف، چناب نگر	درج	گرفتار	نوائے وقت
23نومبر	ک	خاتون	ـ	ـ	واجد، لیاقت	اہل علاقہ	عزیز شریف، چناب نگر	درج	ـ	نوائے وقت
23نومبر	م ب	مرد	18برس	غیر شادی شدہ	حمزہ	اہل علاقہ	ہڈالی، دینہ	درج	ـ	نوائے وقت
26نومبر	ر	خاتون	ـ	شادی شدہ	عمران	اہل علاقہ	قصبہ حسن، فیروز والا	ـ	ـ	نوائے وقت
26نومبر	رب	خاتون	ـ	ـ	لیاقت علی	مرد	بستی دیوان والی، جنگ	ـ	ـ	نوائے وقت
26نومبر	ـ	خاتون	40برس	ـ	عارف شوکت، اظہر	اہل علاقہ	خانیوال	ـ	ـ	نوائے وقت
27نومبر	حسن	بچہ	6برس	غیر شادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	چشتیاں	ـ	ـ	جنگ
27نومبر	ـ	بچہ	3برس	غیر شادی شدہ	اسامہ	اہل علاقہ	محلّہ پیر کریاں، پاکپتن	درج	گرفتار	جنگ
☆28نومبر	س	خاتون		شادی شدہ	ف م	سسر	مورو، نوشہرو فیروز	درج	ـ	روزنامہ کاوش
28نومبر	ک	خاتون	ـ	غیر شادی شدہ	سردار نذیر	اہل علاقہ	ساہوکی ملیاں، شیخوپورہ	درج	ـ	خبریں
29نومبر	ـ	بچہ	ـ	غیر شادی شدہ	ذوالفقار	اہل علاقہ	خاکی سٹاپ، لاہور روڈ، شیخوپورہ	ـ	ـ	نوائے وقت
☆29نومبر	ـ	بچی	12برس	غیر شادی شدہ	واحد بخش، ساتھی	اہل علاقہ	لاکھا روڈ محراب پور، نوشہرو فیروز	درج	گرفتار	روزنامہ کاوش
29نومبر	پ	خاتون	ـ	ـ	طارق، شاہد، عمران	اہل علاقہ	چنڈ بھروانہ، جھنگ	ـ	ـ	نوائے وقت
29نومبر	ک	خاتون	ـ	ـ	غلام مرتضیٰ	اہل علاقہ	نورے والی، رحیم یار خان	درج	ـ	دنیا
30نومبر	ـ	بچہ	6برس	غیر شادی شدہ	احسن	اہل علاقہ	معصوم شاہ بھیلا، پاکپتن	ـ	ـ	نیوز
30نومبر	ـ	خاتون	25برس	ـ	ـ	اہل علاقہ	کاہنہ، لاہور	درج	ـ	نوائے وقت
30نومبر	ماریا	خاتون	ـ	ـ	غلام مرتضیٰ	اہل علاقہ	نورے والی، رحیم یار خان	درج	ـ	دنیا
☆30نومبر	آمنہ شیخ	خاتون		شادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	گوٹھ حاجی فتح علی، کنگری، خیرپور میرس	درج	ـ	روزنامہ کاوش
یکم دسمبر	ک	خاتون	ـ	غیر شادی شدہ	ثاقب	اہل علاقہ	لاہور روڈ، شیخوپورہ	درج	ـ	نوائے وقت
یکم دسمبر	حمزہ	بچہ	12برس	غیر شادی شدہ	ایاز، عبدالرحمان	اہل علاقہ	محلّہ شاہ سلیمان، گکھڑ منڈی	ـ	ـ	نوائے وقت
☆2دسمبر	ـ	بچہ	8برس	غیر شادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	نزد کنڈیارو، نوشہرو فیروز	ـ	ـ	روزنامہ کاوش
3دسمبر	عبدالرحمان	بچہ	5برس	غیر شادی شدہ	اسد	اہل علاقہ	گاؤں سترائیاں، نارنگ منڈی	ـ	ـ	نوائے وقت
4دسمبر	ـ	بچہ	7برس	غیر شادی شدہ	ـ	اہل علاقہ	چک 51/1، بچیکی	ـ	ـ	نوائے وقت
4دسمبر	ص	خاتون	ـ	شادی شدہ	آصف، بلال، صدیق، رفیق	اہل علاقہ	موضع تلواڑہ	ـ	ـ	نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
☆4دسمبر	غریب نواز	مرد		غیرشادی شدہ	احسن	اہل علاقہ	رفیق آباد،رحیم یار خان	درج	-	خبریں ملتان
5دسمبر	دلاور حسین	بچہ	3برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	جیون پور،شیخوپورہ	-	-	نوائے وقت
5دسمبر	ن	خاتون	-	-	امداد	اہل علاقہ	محلّہ نذیر شاہ، پھولنگر	درج	-	نوائے وقت
5دسمبر	ش	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	شوکت	اہل علاقہ	گاؤں 22 ک ب، پاکپتن	-	-	نوائے وقت
6دسمبر	-	بچی	12برس	غیرشادی شدہ	محمد ندیم	اہل علاقہ	بستی سکھر، پاکپتن	-	-	ایکسپریس
7دسمبر	ن	خاتون	-	شادی شدہ	حیدر	اہل علاقہ	گاؤں 29 ک ب، پاکپتن	درج	-	ایکسپریس
7دسمبر	شہزاد	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	جاوید	اہل علاقہ	گاؤں 65 جی ڈی اے، ساہیوال	-	-	خبریں
8دسمبر	کامران	بچہ	6برس	غیرشادی شدہ	عرفان	اہل علاقہ	بھٹہ سٹاپ، فیصل آباد	درج	گرفتار	نوائے وقت
8دسمبر	س	بچی	11برس	غیرشادی شدہ	غلام میراں	اہل علاقہ	دھت پورہ، شیخوپورہ	درج	گرفتار	دنیا
8دسمبر	س	خاتون	-	شادی شدہ	-	اہل علاقہ	محلّہ سعید نگر، صفدر آباد	درج	-	خبریں
☆8دسمبر	جعفر رضا	بچہ	8برس	غیرشادی شدہ	راشد علی	اہل علاقہ	ترنڈہ صاحب خان، رحیم یار خان	درج	-	خبریں ملتان
9دسمبر	عمر شہباز	مرد	-	غیرشادی شدہ	رمضان	اہل علاقہ	شناور ٹاؤن، سانگلہ ہل	درج	-	دنیا
☆9دسمبر	چنوں رتھیب	مرد	15برس	غیرشادی شدہ	ملک نازک	اہل علاقہ	پل جڑھ رتھیب، رحیم یار خان	درج	-	خبریں ملتان
☆10دسمبر	س	خاتون		شادی شدہ	-	اہل علاقہ	کنڈیارو، نوشہرو فیروز	-	-	روزنامہ کاوش
☆10 دسمبر	ارشاد حسین	بچہ	8برس	غیرشادی شدہ	کلیم اللہ	اہل علاقہ	خیر پور سادات، بستی رانجھے، رحیم یار خان	-	-	خبریں ملتان
11دسمبر	-	خاتون	-	غیرشادی شدہ	شاہد	اہل علاقہ	گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، ہری پور	-	-	ایکسپریس ٹریبون
12دسمبر	ش	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	ارشد	اہل علاقہ	گاؤں کوٹ محمدی، پسرور	درج	-	نوائے وقت
12دسمبر	ع	خاتون		غیرشادی شدہ	شاہد اقبال، حشمت علی	اہل علاقہ	محلّہ خواجگان، اوچ شریف، رحیم یار خان	درج	-	خواجہ اسد اللہ
13دسمبر	-	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	سجاد	اہل علاقہ	گاؤں 55/12 ایل، غازی آباد	درج	-	ایکسپریس
14دسمبر	س	خاتون		غیرشادی شدہ	تنویر	اہل علاقہ	120 گ ب، صدر جڑانوالا، فیصل آباد	درج	-	جنگ
14دسمبر	ر	خاتون	14برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	گاؤں چاندنا، ساہیوال	-	-	نوائے وقت
14دسمبر	ب	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	گاؤں منگورا کہ، ساہیوال	-	-	نوائے وقت
14دسمبر		مرد	14برس	غیرشادی شدہ	عارف، عراش	اہل علاقہ	گاؤں کوٹلہ، چک نمبر 44، شاہ کوٹ	-	-	ایکسپریس
15دسمبر	م	خاتون		غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	گاؤں 40 ایس پی، پاکپتن	-	-	نوائے وقت

تاریخ	نام	جنس	عمر	ازدواجی حیثیت	ملزم کا نام	ملزم کا متاثرہ عورت/مرد سے تعلق	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	ملزم گرفتار/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
☆15دسمبر	مزمل شبیر	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	یوسف	اہل علاقہ	بستی لاڑاں، رحیم یارخان	درج	گرفتار	خبریں ملتان
15دسمبر	-	مرد	15برس	غیرشادی شدہ	بلال،عمران	اہل علاقہ	اٹاری روڈ، حجرہ شاہ مقیم	درج	-	ایکسپریس
☆16دسمبر	ش ر	بچہ	9برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	تنگوانی، کندھ کوٹ، کشمور، سندھ	-	-	روزنامہ کاوش
17دسمبر	ع	خاتون		شادی شدہ	ناصر	اہل علاقہ	سندھو کلاں، قصور	درج	-	نوائے وقت
17دسمبر	بلال	بچہ	13برس	غیرشادی شدہ	فرحان	معلم	چک نمبر 66 ج ب، دھاندرہ، فیصل آباد	درج	-	نوائے وقت
☆17دسمبر	ر	خاتون		شادی شدہ	-	-	نور پورہ، رحیم یارخان	درج	-	خبریں ملتان
☆17دسمبر	علی رضا	بچہ	11برس	غیرشادی شدہ	وسیم	اہل علاقہ	وارڈ نمبر 11، غریب محلّہ، حاصل پور، بہاولپور	درج	-	شیخ مقبول حسین
18دسمبر	س	بچی	5برس	غیرشادی شدہ		اہل علاقہ	گاؤں 31 ای بی، پاکپتن	درج		ایکسپریس
18دسمبر	ش	خاتون		شادی شدہ	ارشد	اہل علاقہ	دربار روڈ، شاہ کوٹ	-	-	نوائے وقت
☆18دسمبر	وقاص احمد	بچہ	7برس	غیرشادی شدہ	احمد	اہل علاقہ	یاروالی، بستی سرور، رحیم یارخان	درج	گرفتار	خبریں ملتان
☆18دسمبر	ف چچو	خاتون	15برس	غیرشادی شدہ	نذیر، قاسم، صدرچچو	اہل علاقہ	نزد بہرام، قمبر	درج	-	روزنامہ کاوش
18دسمبر	ہاشر	بچہ	11برس	غیرشادی شدہ	آصف	اہل علاقہ	محلّہ احمد پارک، گوجرہ	-	-	نوائے وقت
18دسمبر	م	خاتون		غیرشادی شدہ	شیخ عادل	منگیتر	سلمٰی ٹاؤن، فیصل آباد	-	-	نوائے وقت
19دسمبر	ف	خاتون	25برس	غیرشادی شدہ	احسان	اہل علاقہ	چک 380 گ ب، فیصل آباد	-	-	نوائے وقت
19دسمبر	ث	خاتون	-	شادی شدہ	علی احمد	اہل علاقہ	کنجوانی	-	-	نوائے وقت
19دسمبر	محمود الحسن	بچہ	6برس	غیرشادی شدہ	انیس	اہل علاقہ	گاؤں سرانوالی، سیالکوٹ	-	-	نوائے وقت
☆19دسمبر	ن	خاتون		غیرشادی شدہ	گل محمد	بہنوئی	بستی کچہ چوہاں، رحیم یارخان	درج	-	خبریں ملتان
22دسمبر	-	بچہ	10برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	تھانہ نوشہرہ جدید، بہاولپور	درج	گرفتار	ڈان
22دسمبر	سبحان	بچہ	13برس	غیرشادی شدہ	-	اہل علاقہ	بادامی باغ، لاہور	درج	-	ایکسپریس
☆23دسمبر	سجاد چانڈیو	مرد	9برس	غیرشادی شدہ	معشوق، شبیر چانڈیو	اہل علاقہ	نزد بہرام، قمبر	درج	-	روزنامہ کاوش
☆23دسمبر	فہد	مرد	15برس	غیرشادی شدہ	فرحان	اہل علاقہ	بستی ذخیرہ، سعید آباد، بہاولپور	درج	-	خواجہ اسد اللہ
23دسمبر	ر	خاتون	17برس	غیرشادی شدہ	محمد جاوید	اہل علاقہ	3 گھگھ، شورکوٹ	درج	گرفتار	نئی بات
24دسمبر	گ	خاتون	23برس	غیرشادی شدہ	وسیم	اہل علاقہ	چک 490 گ ب، ماموں کانجن	-	-	نوائے وقت
24دسمبر	ش	خاتون	-	-	-	اہل علاقہ	کوٹ سوندھا، شیخوپورہ	-	-	نوائے وقت
24دسمبر	الف	خاتون	-	-	-	اہل علاقہ	پاکپتن	-	-	نوائے وقت

خودکشی کے واقعات

مختلف اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں اور جہدحق کے نامہ نگاروں کی جانب سے بھجوائی گئی رپورٹوں کے مطابق **25** نومبر سے **24** دسمبر تک کے دوران ملک بھر میں **117** افراد نے خودکشی کر لی۔ خودکشی کرنے والوں میں **34** خواتین شامل تھیں۔ اسی عرصہ کے دوران **56** افراد نے خودکشی کرنے کی کوشش کی جنھیں بروقت طبی امداد دے کر بچا لیا گیا۔ اقدام خودکشی کرنے والوں میں **28** خواتین شامل ہیں۔ اعداد وشمار کے مطابق خودکشی کرنے والوں میں **62** افراد نے گھریلو جھگڑوں ومسائل سے تنگ آ کر اور **21** نے معاشی تنگدستی سے مجبور ہو کر خودکشی کر لی۔ خودکشی کے واقعات میں **50** نے زہر کھا/پی کر، **25** نے خود کو گولی مار کر اور **28** نے گلے میں پھندا ڈال کر جان دے دی۔ خودکشی اور اقدام خودکشی کے **173** واقعات میں سے صرف **12** واقعات کی ایف آئی آر درج ہوئی۔

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
25نومبر	کرم الٰہی	مرد	50برس	-	شادی شدہ	-	ٹرین تلے آ کر	90/13ایل، میاں چنوں	-	جنگ
25نومبر	ام رباب	خاتون	15برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	7/110 آر، چیچہ وطنی	-	جنگ
25نومبر	امان اللہ	مرد	-	-	شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	موچھ	-	نوائے وقت
26نومبر	محمد اقبال	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	سیشن کورٹ، وزیر آباد	-	جنگ
26نومبر	ماروی	خاتون	30برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	جھوک شریف ٹھٹھہ	-	کاوش اخبار
26نومبر	حضرت بلال	مرد	16برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گاؤں رحمانی خیل، ڈی آئی خان	درج	ایکسپریس
27نومبر	امجد	مرد	47برس	-	شادی شدہ	-	-	علی پارک، لاہور	-	نئی بات
27نومبر	مقصود احمد	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گاؤں نانو والا قصور	-	دنیا
27نومبر	طیبہ بی بی	خاتون	18برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	چک 55بی، رحیم یار خان	-	دنیا
27نومبر	پارو	خاتون	-	-	-	-	خود کو گولی مار کر	پڑانگ، چارسدہ	-	دنیا
27نومبر	سکندر	مرد	20برس	-	غیر شادی شدہ	-	پھندا لے کر	چوہڑ جمالی	-	کاوش اخبار
28نومبر	گلناز	خاتون	25برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	رمضان کالونی، خوشاب	-	نئی بات
28نومبر	احسان اللہ	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	481ای بی، بورے والا	-	نئی بات
29نومبر	سمیرا پروین	خاتون	30برس	-	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	نواب ٹاؤن، لاہور	-	ایکسپریس
29نومبر	امتیاز	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	سعید کالونی، کمر شانی	-	ایکسپریس
29نومبر	محمد خاور	مرد	-	-	-	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	ایسٹ بلاک سکیم نمبر 2، ساہیوال	-	ایکسپریس
29نومبر	فرحان علی سولنگی	مرد	18برس	-	-	پولیس کے رویے سے تنگ آ کر	پھندا لے کر	گوٹھ جمال سولنگی، رانی پور	-	روزنامہ کاوش
29نومبر	احسن	مرد	17برس	-	غیر شادی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	خود کو گولی مار کر	گاؤں علی خان، ہری پور	-	راولپنڈی نیوز
30نومبر	-	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	-	خود کو گولی مار کر	گاؤں 31 جنوبی، سرگودھا	-	پاکستان ٹائمز
30نومبر	مہران	مرد	16برس	-	غیر شادی شدہ	-	زہر خورانی	طفل خیل، ضلع بنوں	درج	آج
30نومبر	سلام محمود	مرد	-	-	-	-	خود کو گولی مار کر	دین پور، ڈی آئی خان	درج	ایکسپریس
30نومبر	اعجاز علی جویو	مرد	22برس	-	-	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	جہان پور، میر پور ماتھیلو، گھوٹکی	-	روزنامہ کاوش
30نومبر	مبین	مرد	18برس	-	غیر شادی شدہ	-	نہر میں کود کر	عارف والا	-	دنیا
30نومبر	حمزہ	خاتون	-	-	غیر شادی شدہ	-	زہر خورانی	لالہ موسیٰ	-	دنیا
30نومبر	اسلام محسود	مرد	-	-	-	-	-	ڈیرہ اسماعیل خان	-	دنیا
30نومبر	نبیل مسیح	مرد	22برس	-	غیر شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	پھندا لے کر	یوحنا آباد، لاہور	-	جنگ
یکم دسمبر	شمعون	مرد	-	-	-	-	پھندا لے کر	چک 424ج ب، گوجرہ	-	جنگ
یکم دسمبر	شہزاد گل	مرد	-	-	-	-	خود کو گولی مار کر	ملانہ، کلور کوٹ	-	نوائے وقت
یکم دسمبر	شہزاد	مرد	25برس	-	غیر شدی شدہ	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	-	فیروز وٹواں	-	ایکسپریس
2دسمبر	چندر کولہی	مرد	28برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندا لے کر	گوٹھ قاضی سکندر، کنری، عمر کوٹ	-	کاوش اخبار
2دسمبر	-	خاتون	26برس	-	غیر شدی شدہ	-	زہر خورانی	سرائے عالمگیر	-	جنگ

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
2دسمبر	-	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سرائے عالمگیر	-	جنگ
3دسمبر	عبدالرشید سمیجو	مرد	-	-	-	قرض سے تنگ آکر	خودکو گولی مارکر	صوفی محلہ، پنوعاقل، سکھر	-	روزنامہ کاوش
3دسمبر	نوراحمد	مرد	35برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالےکر	جوہڑ جمالی	-	کاوش اخبار
4دسمبر	عدنان	مرد	-	-	شدی شدہ	اولاد نہ ہونے پردلبرداشتہ	زہرخورانی	رائیونڈ	-	نوائے وقت
4دسمبر	شہباز	مرد	40برس	-	-	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	پھندالےکر	فیصل آباد	-	نوائے وقت
4دسمبر	نویداقبال	مرد	-	-	شدی شدہ	-	خودکوگولی مارکر	علووالی، میانوالی	-	نوائے وقت
4دسمبر	عبدالرحمان	مرد	-	-	-	بیروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	کیسکا، کندیاں	-	نوائے وقت
4دسمبر	رخشندہ	خاتون	21برس	-	غیرشدی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	سمن آباد، فیصل آباد	-	جنگ
4دسمبر	امجدرند	مرد	22برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	خودکوگولی مارکر	میہڑدادو	-	کاوش اخبار
4دسمبر	-	بچہ	13برس		غیرشادی شدہ	-	ٹرین تلے آکر	ڈیرہ نواب صاحب، بہاولپور	درج	خواجہ اسداللہ
5دسمبر	سعدعلی	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	3ڈبلیوبی، وہاڑی	-	دنیا
5دسمبر	عرفان چشتی	مرد	20برس	-	غیرشادی شدہ	پسندکی شادی نہ ہونے پر	خودکوگولی مارکر	بہاولنگر	درج	خبریں ملتان
5دسمبر	سعدعلی مقبول	مرد	20برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	3ڈبلیو۔بی وہاڑی	-	خبریں ملتان
5دسمبر	رابعہ کوثر	خاتون	-	-	-	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	احمدیار، وہاڑی	-	دنیا
5دسمبر	اقبال	مرد	30برس	-	-		پھندالےکر	جناح ہسپتال، لاہور	-	جنگ
5دسمبر	عرفان	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	خودکوگولی مارکر	22فٹ روڈ، بہاولنگر	-	جنگ
5دسمبر	-	مرد	-	-	-	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	ٹرین تلے آکر	محلہ غریب آباد، شیش محل، شیخوپورہ	-	جنگ
6دسمبر	فرمان علی چانڈیو	بچہ	13برس		غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ شہباز چانڈیو، شہدادکوٹ، قمبر	-	روزنامہ کاوش
6دسمبر	خدیجہ بی بی	خاتون	19برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	اوباڑو، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
6دسمبر	زینب بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	کڑیانوالہ، گجرات	-	جنگ
6دسمبر	عائشہ	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	کڑیانوالہ، گجرات	-	جنگ
6دسمبر	عدیل	مرد	-	-	-	گھریلوجھگڑا	خودکوجلاکر	مدینہ ٹاؤن، شیخوپورہ	-	جنگ
7دسمبر	عمرزیب	مرد	26برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلوجھگڑا	خودکوگولی مارکر	پنج پیر، صوابی	درج	نئی بات
7دسمبر	ظفران	مرد	40برس	-	شادی شدہ	-	پھندالےکر	کالج روڈ، شالیمار، لاہور	درج	نئی بات
7دسمبر	بہاراں بی بی	خاتون	30برس	-	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	ظاہرپیر، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
7دسمبر	نادرعلی چانڈیو	مرد	33برس	-	-	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندالےکر	رئیس دودا چانڈیو، قبوسعیدخان، قمبر	-	روزنامہ کاوش
8دسمبر	ولیی کولہی	خاتون	42برس	-	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندالےکر	ٹنڈوغلام حیدر، ٹنڈومحمدخان	-	کاوش اخبار
8دسمبر	-	مرد	-	-	-	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	بھڑتھ، سیالکوٹ	-	جنگ
8دسمبر	عالمگیر	مرد	24برس	-	-	جائیداد میں حصہ نہ ملنے پر	زہرخورانی	اوباڑو، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
8دسمبر	اشرف	مرد	-	-	-	-	خودکوگولی مارکر	سرگودھا	-	جنگ
9دسمبر	گلشن بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	چوبارہ، بہاولپور	-	خبریں ملتان
10دسمبر	کریم	مرد	-	-	-	گھریلوجھگڑا	پھندالےکر	کچلاک، کوئٹہ	-	نئی بات
10دسمبر	انور	مرد	40برس	-	-	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	پھندالےکر	احمدٹاؤن، فیصل آباد	-	نئی بات
10دسمبر	عروسہ بی بی	خاتون	26برس	-	شادی شدہ	گھریلوحالات سے دلبرداشتہ	پھندالےکر	وہاڑی چوک، ملتان	-	خبریں ملتان
10دسمبر	شہزاد	مرد	-	-	غیرشادی شدہ	بےروزگاری سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	وارڈنمبر4، مٹھن کوٹ	-	خبریں ملتان
10دسمبر	امتیازاحمد	مرد	-	-	-	-	-	ڈسٹرکٹ جیل، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10دسمبر	وزیرمغیری	مرد	22برس	-	شادی شدہ	گھریلوجھگڑا	خودکوگولی مارکر	گوٹھ جلبانی مغیری، قمبر	-	روزنامہ کاوش
10دسمبر	سمیعہ شاہ	خاتون	35برس	°	شادہ شدہ	گھریلوجھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ پیرمگیو، خیرپورمیرس	-	روزنامہ کاوش

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
10دسمبر	شاہد	مرد	ـ	ـ	غیرشادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	کچی فتومنڈ، گوجرانوالہ	ـ	نوائے وقت
11دسمبر	عبدالخالق	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	قرض سے تنگ آکر	زہرخورانی	حاجی پور، حاصل پور	ـ	خبریں ملتان
11دسمبر	خوشحال خان	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پیراں روڈ، ملتان	ـ	خبریں ملتان
11دسمبر	آمنہ بی بی	خاتون	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	اڈالاڑ، ملتان	ـ	خبریں ملتان
11دسمبر	سعودنثار	مرد	ـ	ـ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	شیخوپورہ	ـ	نئی بات
11دسمبر	ثقلین	مرد	ـ	ـ	ـ	بے روزگاری سے دلبرداشتہ	پھندالےکر	رحمت ٹاؤن، فیصل آباد	ـ	نئی بات
12دسمبر	محمد ہاشم	مرد	ـ	ـ	شادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	مین بازار، ٹانک	درج	آج
13دسمبر	سفیان	مرد	ـ	ـ	ـ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	پھندالےکر	رحمت کالونی، نشتر کالونی، لاہور	ـ	ایکسپریس
13دسمبر	نسرین	خاتون	19برس		غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	دستگیر کالونی، گوجرہ	ـ	دنیا
13دسمبر	شعیب	مرد	ـ	ـ	ـ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	خودکوگولی مارکر	فریدآبادکالونی، ڈی جی خان	ـ	خبریں ملتان
13دسمبر	بشیراں گبول	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	گوٹھ باجھی گبول، میرپورماتھیلو، گھوٹکی	ـ	روزنامہ کاوش
13دسمبر	سدرہ بی بی خاتون		ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	اسلام نگر، گجرات	ـ	دنیا
13دسمبر	محمد شبیر	مرد		ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	محلہ ہسپتال، قلعہ دیدارسنگھ	ـ	دنیا
14دسمبر	عاصمہ بی بی	خاتون	18برس		غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پاکپتن	ـ	نیوز
14دسمبر	مقصودہ	خاتون	ـ	ـ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	موضع نامہ سیال، ساہیوال	ـ	جنگ
14دسمبر	انیلہ	خاتون	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نئی آبادی، ساہیوال	ـ	جنگ
14دسمبر	محسن	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	چک45، سرائے مغل	ـ	جنگ
15دسمبر	رفیع اللہ	مرد	ـ	ـ	ـ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندالےکر	مسجد روڈ، کوئٹہ	درج	دنیا
15دسمبر	انس	مرد	15برس	ـ	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رحیم یارخان	ـ	خبریں ملتان
17دسمبر	شکیلہ	خاتون			شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	فتح پوری، مریدکے	ـ	ایکسپریس
17دسمبر	سہیل	مرد			غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خودکوگولی مارکر	تھانہ رنگ پور، سیالکوٹ	ـ	نوائے وقت
17دسمبر	اکمل	مرد	24برس	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بستی رانجھے خان، رحیم یارخان	ـ	خبریں ملتان
17دسمبر	کویتا کوہلی	مرد	21برس	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	پھندالےکر	مالہی کالونی، میرپورخاص	ـ	کاوش اخبار
18دسمبر	سلیمان	مرد			غیرشادی شدہ	بے روزگاری سے دلبرداشتہ	دریامیں کودکر	ہیڈمحمدوالا پل، ملتان	ـ	دنیا
18دسمبر	عائشہ	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	فیصل آباد	ـ	خبریں ملتان
18دسمبر	ذیشان ملک	مرد	18برس	ـ	ـ	گھریلو جھگڑا	پھندالےکر	لکی باغ، حیدرآباد	ـ	کاوش اخبار
18دسمبر	صائمہ	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	باغبانپورہ، گجرانوالا	ـ	ڈان
18دسمبر	عائشہ	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک229رب، فیصل آباد	ـ	نوائے وقت
18دسمبر	ـ	مرد	ـ	ـ	ـ	ـ	دریامیں کودکر	کوٹری، جام شورو	ـ	روزنامہ کاوش
19دسمبر	ـ	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خودکوگولی مارکر	تائیویلہ، ڈی آئی خان	ـ	دنیا
19دسمبر	نظیراں	خاتون	22برس	ـ	شادی شدہ	غربت سے دلبرداشتہ ہوکر	کنویں میں کودکر	چھاچھرو، عمرکوٹ	ـ	کاوش اخبار
20دسمبر	مسماۃ ث	خاتون	ـ	ـ	شادی شدہ	ـ	پھندالےکر	فارم کورونا، مردان	درج	آج
20دسمبر	محمد شاہد	مرد	33برس		شادی شدہ	ـ	بجلی کے تاروں کو چھوکر	آؤٹ فال روڈ، بھاٹی گیٹ، لاہور	ـ	ایکسپریس
20دسمبر	محمد علی	مرد	20برس		غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	پھندالےکر	قریش کالونی، بہاولنگر	ـ	نئی بات
21دسمبر	علی مصطفیٰ	مرد	19برس		غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	مریدکے، فیروزوالا	ـ	نوائے وقت
21دسمبر	فیصل	مرد	24برس	ـ	غیرشادی شدہ	ـ	خودکوگولی مارکر	تہکال بالا، پشاور	درج	آج

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
22دسمبر	شنبو بھیل	مرد	33برس	-	شادی شدہ	قرض سے دلبرداشتہ ہوکر	پھندا لے کر	مسن، ٹنڈو الہیار	-	کاوش اخبار
22دسمبر	غلام محی الدین	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہر خورانی	بگا چوک، فیصل آباد	-	جنگ
22دسمبر	نثار مسیح	مرد	40برس	-	-	-	پھندا لے کے	چک نمبر245رب، فیصل آباد	-	جنگ
22دسمبر	وقاص	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	زہر خورانی	ساہیوال	درج	پاکستان ٹائمز
22دسمبر	حمزہ	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	-	زہر خورانی	عسکری الیون، لاہور	-	خبریں
22دسمبر	علی مرتضیٰ	مرد	20برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	مریدکے	-	جنگ
22دسمبر	عبدالصمد	مرد	-	-	-	بھائی کے ناروا سلوک پر	پھندا لے کر	چک45ٹی ڈی اے، کوٹ ادو	-	خبریں ملتان
22دسمبر	خدیجہ بی بی	خاتون	17برس	-	غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	ٹرین تلے آکر	رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
23دسمبر	رضوان کھونہارو	مرد	26برس	-	-	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	حاجی لطیف شاہ محلّہ، شکارپور	-	روزنامہ کاوش
24دسمبر	-	مرد	-	-	شادی شدہ	غربت سے تنگ آکر	زہر خورانی	شریف پورہ، ملتان	-	مشرق
24دسمبر	-	خاتون	-	-	شادی شدہ	غربت سے تنگ آکر	زہر خورانی	شریف پورہ، ملتان	-	مشرق
24دسمبر	عمران احمد	مرد	38برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	میرپور خاص	-	کاوش اخبار

اقدام خودکشی

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
27نومبر	سرفراز	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	بے روزگاری سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	موضع گلوٹیاں، ڈسکہ	-	نئی بات
27نومبر	ارسلان	مرد	-	-	غیر شادی شدہ	بے روزگاری سے دلبرداشتہ	زہر خورانی	ڈسکہ	-	نئی بات
27نومبر	الطاف	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	گلا کاٹ کر	فرید آباد، رحیم یارخان	-	دنیا
29نومبر	محمد حسن مری	مرد	19برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	مل کالونی، خیرپور میرس	-	روزنامہ کاوش
30نومبر	سیانی شنبانی	خاتون	20برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گوٹھی شادی شہید، خیرپور میرس	-	روزنامہ کاوش
30نومبر	سعد	مرد			غیر شادی شدہ	-	زہر خورانی	موضع صادق آباد، لالہ موسیٰ	-	خبریں
یکم دسمبر	فراز الرحمان	مرد	-	-	-	گھریلو جھگڑا	خود کو گولی مار کر	گاؤں ریگی، پشاور	-	-
3دسمبر	عائشہ سلیم	خاتون	-		شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گڑھ محلّہ، گوجرہ	-	نوائے وقت
3دسمبر	-	خاتون	-		غیر شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	گولاٹھیاں، ڈسکہ	-	نیوز
5دسمبر	شاہ جہاں	خاتون	30برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	بستی رانجھے، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
6دسمبر	شکیلہ	خاتون	35برس		شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	خود کو جلا کر	کھڑیانوالا، فیصل آباد	-	نوائے وقت
8دسمبر	عظمیٰ	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہر خورانی	شالیمار پارک، فیصل آباد	-	نئی بات
8دسمبر	حبیب الرحمان شیخ	مرد		-	-	انصاف نہ ملنے پر	-	المدینہ کالونی، لاڑکانہ	-	روزنامہ کاوش
9دسمبر	ہیراں بی بی	خاتون	20برس	-	غیر شادی شدہ	-	-	کوٹ سمابہ، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
9دسمبر	سمیع	مرد	15برس	-	غیر شادی شدہ	-	-	پیر عبدالمالک، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
9دسمبر	مبارک علی	مرد	25برس	-	-	-	-	ڈہرکی	-	خبریں ملتان
9دسمبر	شازیہ	خاتون	28برس	-	-	-	-	بدلی شریف، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
9دسمبر	مسز شاہد	خاتون	18برس	-	شادی شدہ	-	-	حسن کالونی، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
9دسمبر	شکیلہ بی بی	خاتون	23برس	-	غیر شادی شدہ	-	-	ظاہر پیر، رحیم یارخان	-	خبریں ملتان

تاریخ	نام	جنس	عمر		ازدواجی حیثیت	وجہ	کیسے	مقام	ایف آئی آر درج/نہیں	اطلاع دینے والے HRCP کارکن/اخبار
10دسمبر	ارشد	مرد	56برس	-	-	-	-	نورے والی،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10دسمبر	عطامحمد	مرد	30برس	-	-	-	-	صادق آباد،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10دسمبر	اکرام	مرد	21برس	-	-	-	-	چک عباس،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10دسمبر	یوسف	مرد	18برس	-	-	-	-	اوباڑو	-	خبریں ملتان
10دسمبر	شہزادی مائی	خاتون	18برس	-	-	-	-	کوٹ سبزل،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
10دسمبر	خنزہ بی بی	خاتون	22برس	-	-	-	-	قذافی کالونی،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
11دسمبر	ثناء	خاتون	18برس		غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	نذیر کالونی،فیصل آباد	-	نئی بات
13دسمبر	مقدس بی بی	خاتون	19برس	-	-	-	-	نیازی کالونی،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
13دسمبر	شکیلہ بی بی	خاتون	20برس	-	-	-	-	ترنڈہ محمد پناہ،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
13دسمبر	کوثر بی بی	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	240 گ ب،فیصل آباد	-	دنیا
13دسمبر	فوزیہ بی بی	خاتون	17برس	-	-	-	-	ظاہر پیر،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
13دسمبر	رخسانہ بی بی	خاتون	17برس	-	-	-	-	میرپور ماتھیلو	-	خبریں ملتان
13دسمبر	خلیل احمد	مرد	21برس	-	-	-	-	بستی حاجی بخش خان،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
13دسمبر	شاہ زیب	مرد	20برس	-	-	-	-	بہادر پور،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
13دسمبر	امیر بخش	مرد	40برس	-	شادی شدہ	-	-	خانپور،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
13دسمبر	اسلم	مرد	55برس	-	شادی شدہ	-	-	چک نمبر96پی،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
13دسمبر	اللہ وسایا	مرد	18برس	-	-	-	-	ڈہرکی	-	خبریں ملتان
13دسمبر	ثمرین	خاتون	17برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	الٰہی آباد،فیصل آباد	-	دنیا
13دسمبر	ناصر	مرد	25برس	-	غیرشادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	نواباں والا،فیصل آباد	-	دنیا
15دسمبر	شعیب احمد	مرد	20برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	ابوظہبی پیلس،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
15دسمبر	بلال احمد	مرد	14برس		غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	بنگلہ سٹھار،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
15دسمبر	امجد عامر	مرد	14برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	صادق آباد،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
15دسمبر	مسز لعل خان	خاتون	40برس	-	شادی شدہ	-	-	مستان شاہ،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
15دسمبر	شمائلہ بی بی	خاتون	30برس	-	-	-	-	چک نمبر114پی،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
15دسمبر	شکیلہ بی بی	خاتون	37برس	-	-	-	-	دستگیر کالونی،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
15دسمبر	رفعت بی بی	خاتون	15برس	-	غیرشادی شدہ	-		راجن پور،رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
15دسمبر	یاسمین	بچی	13برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	رحیم یارخان	-	خبریں ملتان
13دسمبر	محمد عامر	مرد	19برس	-	غیرشادی شدہ	معاشی حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	58 گ ب،فیصل آباد	-	دنیا
18دسمبر	ریاض	مرد	26برس	-	غیرشادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	غازی آباد،لاہور	-	جنگ
19دسمبر	سہائی گوپانگ	خاتون	30برس	-	شادی شدہ	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چونڈکو،خیرپورمیرس	-	روزنامہ کاوش
21دسمبر	حاکم علی سیٹھار	مرد	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	گوٹھ لال پیر،خانپور،شکارپور	-	روزنامہ کاوش
21دسمبر	غلام صادق	مرد	25برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	پاکپتن	-	نیوز
21دسمبر	عمر	مرد	28برس	-	-	گھریلو جھگڑا	زہرخورانی	چک27ایس پی،پاکپتن	-	نیوز
22دسمبر	شائستہ	خاتون	-	-	غیرشادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	کوٹ آلہ سنگھ،خانیوال	-	نئی بات
22دسمبر	افشاں	خاتون	-	-	شادی شدہ	گھریلو حالات سے دلبرداشتہ	زہرخورانی	پراناخانیوال،خانیوال	-	نئی بات
22دسمبر	فہیم	مرد	18رس	-	غیرشادی شدہ	پسند کی شادی نہ ہونے پر	خودکو جلاکر	محلّہ میر سراج الدین،بہاولپور	-	خبریں
24دسمبر	انجم رائے	خاتون	-	-	-	پولیس کے رویے سے دلبرداشتہ	چھت سے کودکر	اقبال ٹاؤن،لاہور	-	جنگ

انتہا پسندی کی روک تھام اور رواداری کے فروغ کے لیے منعقدہ تربیتی ورکشاپس کی رپورٹس

فیصل آباد 19 تا 20 اگست 2015ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام پنجاب کے ضلع فیصل آباد میں " انتہا پسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار کے فروغ " کے عنوان سے 20,19 اگست کو دوروزہ تربیتی ورکشاپ کا پرائم ہوٹل اینڈ ریسٹورنٹ میں اہتمام کیا گیا۔ ورکشاپ میں سہولت کاروں نے انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار، مذہبی ہم آہنگی اور رواداری وقت کی اہم ضرورت ہے، طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت، انتہا پسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کیلئے لائحہ عمل، جمہوریت اور انسانی حقوق، انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق اور انتہا پسندی کے انسداد میں ادب، ادیب اور فنون لطیفہ کا کردار پر لیکچر دیے۔ سہولت کاروں میں ایچ آر سی پی کے پروگرام آفیسر حفیظ بزدار، ریجنل کو آرڈینیٹر عون محمد، ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر میاں نوید، سجاد منظور، قذافی بھٹی، محمد سہیل، زکی نقوی شامل تھے۔ سات خواتین سمیت 25 افراد نے تربیتی ورکشاپ میں شرکت کی جن میں صحافی، وکلاء، اُساتذہ، سماجی کارکنان، طلبہ اور دیگر مکاتب فکر کے لوگ شامل تھے۔

علاوہ ازیں ورکشاپ میں شرکاء کو ایک اور دستاویزی فلم ''ہم انسان'' دکھائی گئی جس کا مقصد انسانیت دوستی کا درس دینا تھا۔ اس میں یہ دکھایا گیا کہ سب انسان برابر ہیں۔ ہر مذہب میں انسانیت کا درس دیا گیا ہے۔ سب سے پہلے انسان ہے اور بعد میں مذہبی عمل سے رواداری بڑھتی ہے۔ شرکاء نے ایچ آر سی پی کی اس کاوش کو بہت سراہا۔ " ضمیر کی عینک " کے نام سے ایک اور دستاویزی فلم بھی دکھائی گئی اور شرکاء کے درمیان رواداری کے فروغ کے لیے گروپ ورک اور گیمز بھی کروائی گئیں۔

تعارف شرکاء، رجسٹریشن، قبل از ورکشاپ شرکاء کا استعدی جائزہ

عون محمد

پاکستان میں انتہا پسندی کے موضوع پر اگرچہ بہت زیادہ توجہ دی جا رہی ہے مگر اس کے باوجود اس کو سمجھنے اور اس کے وجوہات کی نشاندہی کرنے میں بے شمار شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق انتہا پسندی ایک ایسا طرز عمل ہے جو معاشرتی بے سکونی کا باعث بنتا ہے۔ انتہا پسندی ایک ایسا منفی عمل ہے جس میں مثبت پہلوؤں کو تلاش کرنا اک احمقانہ عمل ہے۔ انتہا پسندی کی وجوہات میں بنیادی سہولیات سے محرومی، حکومتی پالیسیاں، طبقاتی تفاوت، میڈیا کا منفی رول، صوبائی اختلافات، کمزور معاشرتی ڈھانچہ، مخصوص طرز فکر، مذہبی لیڈروں کا مبہم کردار اور سیاسی استحصال شامل ہیں۔ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ پاکستان کو شروع دن سے ہی درست سمت کا تعین کرنے میں مشکلات کا سامنا رہا ہے اور اس کے

> انسان اچھا یا برا چننے میں حق بجانب ہے کیونکہ اس کو ذہانت جیسی نعمت سے نوازا گیا ہے۔ 45 قبل مسیح میں پہلے پہل ایک رومن وکیل نے مذہب کا لفظ متعارف کرایا۔ مذہب کا خاص مقصد طبیعاتی اور مابعد طبیعاتی زندگی کا کھوج لگانا اور اس کو قابو میں رکھنا ہے۔

اثرات کی وجہ سے آج تک ہم اپنی منزل کی راہ کا تعین نہیں کر سکے۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے انسانی حقوق کی تعلیم کے فروغ، انتہا پسندی سے آگاہی اور اس کی روک تھام کے لیے پورے ملک میں کوششیں جاری ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کاوش آج کی ورکشاپ ہے۔ میں آپ سب کا بہت مشکور ہوں کہ آپ اپنے قیمتی وقت سے کچھ لمحات نکال کر یہاں تشریف لائے ہیں۔ ہمیں مل کر سوچنا ہے کہ انتہا پسندی جیسے سرطان کو روکنے کے لیے کن تدابیر کی ضرورت ہے ورنہ ہمارا معاشرہ بہت تیزی سے زوال کا شکار ہوگا۔ آپ سب سے درخواست ہے کہ ہماری ورکشاپ کے مقصد کو اچھی طرح سمجھیں اور انسانیت دوست اقدار کے فروغ میں اپنا کردار ادا کریں۔ اس کے علاوہ شرکاء کو تجزیاتی اور تجاویزی فارم دیئے گئے اور اس کے ساتھ ہی ورکشاپ کے ٹائم ٹیبل اور نشستوں کے دوران قوائد وضوابط سے شرکاء کو آگاہ کیا اور قبل از ورکشاپ شرکاء کا استعدادی جائزہ لیا۔ استعدادی جائزہ میں شرکاء سے انسانی حقوق کے حوالے سے بنیادی 20 سوالات پوچھے گئے۔ جس کے لئے شرکاء کو 10 منٹ کا وقت دیا گیا۔

انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

عون محمد

انسانی حقوق کا حصول انسان کی تخلیق کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ انسانی حقوق بنیادی طور پر قدرتی اور قانونی حقوق مانے جاتے ہیں۔ لیکن انسانی حقوق کی تحریک اور اصلاحات کا حقیقی عمل دوسری جنگ عظیم کے بعد شروع ہوا۔ بچوں، عورتوں کے حقوق کی تحریک چلی۔ انسانی حقوق کے فروغ کے لئے بہت سی تحریکیں کار فرما تھیں بالآخر 10 دسمبر 1948ء کو انسانی حقوق کے تحفظ کا چارٹر اپنایا گیا جس میں تعلیم کو انسانی حقوق میں خاص اہمیت دی گئی ہے جو نہ صرف روزگار کی حصولی میں مدد دے رہی ہے بلکہ ایک انسان کو سماج میں چلنے کا راستہ بھی دیتی ہے۔ انسانی حقوق کے فروغ کی ذمہ داری ریاست کی ہے۔ پاکستان میں دہشت گردی بہت بڑھ رہی ہے جس کی وجہ سے انسانی حقوق کی پامالی ہو رہی ہے۔ ہماری سیاسی تنظیموں کا رویہ بھی اتنا تسلی بخش نہیں رہا ہے۔ پاکستان اس وقت معاشی استحصال اور انتشار کا شکار ہے، جس کی بنیادی وجہ کمزور جمہوری حکومت ہے۔ عام آدمی کو اپنے بنیادی حقوق کا پتہ نہیں کہ یہ حقوق ہیں کیا، اور کہاں سے ملیں گے۔ ان حقوق کے حصول میں سول سوسائٹی اچھا رول ادا کر سکتی ہے اور عام لوگوں میں حقوق کا شعور پیدا کرنے اور اس تک رسائی حاصل کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ انسانی حقوق کے تصورات کی جڑیں درحقیقت انسانیت میں پیوستہ ہیں۔ ایک آدمی کی ذمہ داری صرف اس کے خاندان، معاشرے، طبقہ، ذات، مذہب یا قوم تک محدود نہیں بلکہ وہ تمام انسانیت کو جواب دہ ہوتا ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد 1945ء میں اقوام متحدہ قائم ہوئی کیونکہ ان جنگوں اور جغرافیائی تنازعات نے مزدوروں کے حقوق، عورتوں کے حقوق، اقلیتوں اور کمزور طبقات کے حقوق، سیاسی وسماجی حقوق، تعلیم اور روزگار کے حقوق، بچوں کے حقوق اور معاشی آزادیوں پر توجہ مبذول کروائی۔ اقوام متحدہ نے 10 دسمبر 1948ء کو اپنی جنرل اسمبلی کی منظور شدہ قرارداد کے تحت انسانی حقوق سے متعلق جو اعلان کیا اسے ''انسانی حقوق کا عالمی منشور'' کہا جاتا ہے۔ یہ منشور 30 دفعات پر مشتمل ہے۔

اس میں انسانی وقار اور عظمت کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ رنگ ونسل اور علاقائی تعصّبات سے بالاتر یہ ایک ایسا مسودہ ہے جو تمام اقوام عالم کے لیے قابل قبول ہے۔ پاکستان نے بھی 1973ء کے آئین میں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور کا خصوصی طور پر خیال رکھا ہے۔ کسی بھی معاشرے میں حقوق کے فروغ اور حقوق کے حصول کے لیے سول سوسائٹی کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ ان معاشروں کی حالت بھی چند صدیاں پہلے ہمارے معاشرے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ مختلف انجمنوں، طلبہ تنظیموں، ٹریڈ یونینوں نے اپنے اپنے حقوق کی بقاء کے لیے کوششیں کیں اور نتیجتاً ایک مضبوط اور متحرک سول سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس نے حقوق کی تحریک کو نہ صرف مستحکم کیا بلکہ اسے رواں دواں بھی رکھا۔ اس بات کا تعین کرنے میں کہ آیا ایک موثر جمہوری معاشرہ موجود ہے یا نہیں، سول سوسائٹی کے اداروں کو جمہوریت کے معیار اور انسانی حقوق کی کیفیت کے کسی بھی جائزے میں مرکزی اہمیت دی گئی ہے۔ سول سوسائٹی کے اداروں میں مذہبی تنظیمیں، این جی اوز، ٹریڈ یونین، شہریوں کے گروپ، ذرائع ابلاغ، سیاسی جماعتیں، اور دوسرے مفاداتی گروپ مثلاً کاروباری تنظیمیں شامل ہوتی ہیں۔ خاندان سول سوسائٹی کا ادارہ نہیں ہیں لیکن معاشرے کے مزاج کی تشکیل میں اس کے تدریسی اور سماجی کردار کی وجہ سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ نمائندگی اور باقاعدہ جمہوری عمل کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ جمہوریت کا یہ تصور سول سوسائٹی کے اداروں کے اس کردار کو بھی نمایاں کرتا ہے کہ وہ عوام کی جمہوری شراکت کے لیے مواقع بھی پیدا کرتے ہیں جن کا دائرہ سیاسی فیصلوں سے لے کر اختیارات اور وسائل کی تقسیم میں موثر شراکت تک پھیلا ہوا ہے۔

مذہبی ہم آہنگی اور رواداری وقت کی اہم ضرورت ہے

سجاد منظور

دنیا کے تمام مذاہب تو پیار محبت، امن آشتی، اصلاح، سلامتی صبر وتحمل اور احترام کا درس دیتے ہیں لیکن اس دنیا میں جتنے بھی جنگ وجدل تفرقے اور تضادات موجود ہیں ان کے پیچھے جو سب سے بڑی قوت کارفرما ہے وہ مالی مفادات ہیں۔ یہ مفادات ذاتی نوعیت کے بھی ہیں اور گروہی بھی۔ ملک کی سطح پر بھی حصول زر کی خواہشات کی تکمیل کیلئے داخلی اور خارجی پالیسیاں بنائی جاتی ہیں۔ ساتھ ساتھ ہی اس حقیقت سے بھی منہ موڑا نہیں جاسکتا کہ ماضی میں بہت سے ایسے میدان جنگ لگ چکے ہیں اور معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ جب تاریخ نے اُن کے محرکات کو عیاں کیا تو سامنے آنے والی ایک وجہ مذہبی تھی۔ زمانہ قدیم میں ایک خطہ زمین سے تعلق رکھنے والے ایک نسل کے لوگ جب کسی دوسرے قبیلے سے لڑے تو اس کی عام طور پر وجہ ذاتی تحفظ کے علاوہ جغرافیائی حدود اور مالی ذرائع پر قابض ہونا تھا۔ اس کے برعکس آج ایک ہی ملک یا خطہ زمین پر آباد ایک ہی قوم کے اندر مختلف نسلوں اور مذاہب سے وابستہ لوگ ہوسکتے ہیں۔ سال ہا سال تک اکٹھا رہنے کے بعد وہ مجموعی طور پر ایک مخلوط قوم بن جاتے ہیں۔ دنیا کے اکثریتی علاقوں میں یہی عمل صدیوں پہلے ہو چکا ہے۔ اب تقریباً تمام ممالک ایسی ہی مخلوط اقوام پر مشتمل ہیں۔ ایک ملک کے باسیوں کے مذاہب میں فرق کے باوجود مدتوں تک اکٹھا رہنے سے ایسی مشترکہ معاشرتی اقدار نے جنم دیا ہے جن کو بدلنا ناممکن ہے۔ اب اگر کوئی اکثریت یا کسی بھی لحاظ سے زور آور گروہ یہ خواہش کرے کہ مذہبی اختلاف رکھنے والے ان کے ہاں سے کوچ کر جائیں تو یہ سراسر ناممکن ہے اور یہ بات دنیا کے ہر ملک کے باسیوں کیلئے یکساں اہمیت رکھتی ہے۔ اکثریتوں کو یہ باور کرلینا ہوگا کہ انہیں اپنی دھرتی سے اُنسیت ہے تو اقلیتیں بھی اس سے کچھ کم محبت نہیں رکھتیں۔ اپنا گھر تو پرندوں اور جانوروں کو بھی عزیز ہوتا ہے تو پھر یہ انسان اپنا ٹھکانہ، اپنا بسیرا اپنا پیارا وطن چھوڑ کر جائیں تو کہاں جائیں؟

کوئی مذہب شدت پسندی کی ترغیب نہیں دیتا۔ حالانکہ انتہا پسندوں کی جانب سے اسے ایک آلے کے طور پر استعمال کر کے لوگوں کو بھرتی کرنے کا جواز بنایا گیا ہے۔ مذہبی عمائدین نے دیگر پہلوں کو نظرانداز کر کے محض اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر بھاری قیمت وصول کی ہے۔ ان پڑھ ملا اور عوام بھی اس انارکی کے یکساں طور پر ذمہ دار ہیں۔ زیادہ تر لوگ مذہب کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ مذہبی ادارے براہ راست یا پوشیدہ طور پر منفی بنیادوں پر استوار سماجی اور اقتصادی ڈھانچوں کی مدد کرتے ہیں اور ان سے اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنے کے لئے عوام کے رویوں اور عادات میں تبدیلی لاتے ہیں۔ انتہا پسندی کو محض مذہب کے نام پر ہی فروغ نہیں ملا بلکہ اسے ابھارنے میں غیر مذہبی قومیتوں، پارٹیوں اور کئی تنظیموں کا بھی عمل دخل رہا ہے۔

طرز فکر میں مثبت تبدیلی اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لیے تعلیمی اداروں اور نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیم کی شمولیت کی اہمیت

قذافی بھٹی

اگر ہم دوسری مخلوقات سے موازنہ کریں تو بہت سی مخلوقات اکثریت بھی عام انسان سے بہتر کام کر رہی ہیں۔ مثلاً لائن بنانا ایک دوسرے کی مدد کرنا دوسرے کے لیے اپنا سفر چھوڑنا۔ جبکہ قربانی دنیا والا انسان ایسا ہے جس کا مقابلہ باقی کوئی مخلوق نہیں کرسکتی اس لیے ہی صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کہلوانے کا حقدار ہے اور یہی بہتر انسان ہے۔ خود غرض انسان اشرف المخلوقات نہیں ہوسکتا۔ مثبت طرز فکر کی اہمیت اس لئے ہے کہ یہ منفی سوچ کو مثبت میں بدل سکتی ہے۔ یہ تمام باتیں جو مثبت سوچ کے بارے آج ہم کر رہے ہیں یہ بہت پہلے سکول کی سطح پر ہوجانی چاہئیں تھیں۔ مختلف کہانیوں کی صورت میں یہ بچوں کو ذہین نشیں ہوجانی چاہیے تھیں۔ اس کو مکمل اور ٹیم ورک کی صورت میں پڑھایا جانا چاہیے تھا۔ اسی طرح انسانی حقوق اگر ہمارے نصاب کا حصہ ہوتے تو آج نہ پولیس اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرسکتی نہ ہمیں بلاوجہ بغیر وارنٹ گرفتار کر لیا جاتا نہ 24 گھنٹے سے زیادہ حراست میں رکھا جاتا۔ اس جیسی انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں جو آج ہم برداشت کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف لاعلمی ہے ورنہ ہم اس کے خلاف آواز اٹھا سکتے تھے۔ اسی طرح جو آئین ہمیں انسانی حقوق فراہم کرتا ہے وہ کم از کم میٹرک کی سطح تک ہمارے کسی مضمون کا حصہ ہونے چاہیں تاکہ یہ نئی نسل کے بچوں کو زبانی یاد ہوجائیں۔ ہمارے معاشرے میں رواج ہے کہ جب تک کوئی چیز کسی کو زبردستی سکھائی نہ جائے تو وہ اسے سیکھنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ انسانی حقوق اگر نصاب کا حصہ بن جائیں تو ہر کوئی آسانی سے آگاہ ہوسکتا ہے۔

ہم سب لوگ کم از کم اپنی حد تک بہتری کے لیے حصہ ڈال سکتے ہیں۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق ایک اُمید کی کرن ہے جس کے پلیٹ فارم سے ہم اپنی آواز ارباب اختیار تک پہنچا سکتے ہیں اور یہ علم آگے تک منتقل کر سکتے ہیں جس سے بہت جلد عوام میں بیداری پیدا ہوگی اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجائیں گے۔ جب سب لوگ ایک دوسرے کے حقوق کا احترام کریں گے تو خود بخود جمہوری اقدار معاشرے کا حصہ بنیں گی۔ کم از کم یہ دو باتیں اگر ہم یاد رکھ لیں اور انہیں زندگی کا حصہ بنالیں تو یقیناً ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔

انتہا پسندی کے انسداد میں ادب، ادیب اور فنون لطیفہ کا کردار

آصف ہوت

سب سے پہلے ہمیں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ آخر یہ انتہا پسندی ہے کیا؟ کیا یہ انفرادی روّیہ ہے یا پھر اجتماعی معاملہ ہے اور کس طرح سے یہ انفرادی سے اجتماعی شکل میں تبدیل

ہوتا ہے۔اگر انتہا پسندی کو تصوراتی لحاظ سے دیکھا جائے تو پھر یوں ہوگا کہ کوئی شخص یا کوئی گروہ جب اپنے کسی نقطہ نظر پر اس حد تک پہنچ جائے کہ اسے لگے کہ اس کے علاوہ باقی سب غلط ہے اور اسکی مخالفت کرنے والے کو اگر جان سے مار دیا جائے تو یہ عمل انتہا پسندی کہلائے گا۔گزشتہ کئی سالوں سے اس انتہا پسندی نے پورے ایشیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور خاص کر عراق، افغانستان اور پاکستان میں ہمیں اس انتہا پسندی کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔انتہا پسندی کی وجہ سے کئی لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ کیا انتہا پسندی کسی سیاسی عمل کو مضبوط کرتی ہے یا پھر مذہبی گروپ کو؟ چونکہ معاشرے میں رہتے ہوئے ہر شخص کا کسی مذہب اور کسی سیاسی گروپ کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور اس تعلق کی بنیاد پر وہ اپنے گروپ کے نظریات کے فروغ کے لئے سرگرم ہوتا ہے۔اب یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اختلاف ہونا کوئی بُری چیز ہے؟ اگر اختلاف نہ ہوتا تو پھر دنیا میں ہر چیز ایک جیسی ہی ہوتی۔ بنیادی طور پر اختلاف کائنات کی خوبصورتی ہے اور اس خوبصورتی سے ایک نئی خوبصورتی جنم لیتی ہے جیسے مختلف موسموں میں مختلف قسم کے پھول بہاریں دکھاتے ہیں، جیسے دو رنگوں سے تیسرا رنگ بنتا ہے۔اسی طرح سے مثبت طریقے سے اگر ہم اپنے نظریات کو زیر بحث لائیں اور اپنے اندر قوت برداشت کو قائم رکھیں تو اس کا نتیجہ مثبت ہی نکلے گا کیونکہ انتہا پسندی عدم برداشت کی کوکھ سے جنم لیتی ہے۔جب ہم اپنے سے مختلف سوچ رکھنے والے انسانوں کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیتے ہیں اور اس کا نتیجہ یقیناً ہمارے لئے صحیح نہیں نکلتا ہے۔

بنیادی طور پر زبان کو نکھارنا، سنوارنا، لکھنا بولنا ادب کہلاتا ہے۔یعنی جب ہم کسی چیز کو ایک بہت ہی شائستہ انداز میں بیان کردیں وہ بیان زبانی ہو یا تحریری ادب کہلاتا ہے۔اسی طرح سے ادیب اُس ادب کو جنم دیتا ہے اور اپنی جمالیاتی حس کی بنیاد پر کسی موضوع کو سلیقے کے ساتھ تیار کرتا ہے۔اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ معاشرے کو سنوارنے میں انسان کی ذہنی خوبصورتی کا ہونا بہت ضروری ہے۔فن اور ادب زندگی کے وہ پہلو ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے اندر لطیف جذبات کو جنم دیتا ہے۔ایک فنکار ہمیشہ دوسروں کے دکھ درد کے بارے میں سوچتا ہے اور اسکی ساری تخلیق لوگوں کے لیے ہوتی ہے۔کیونکہ وہ لوگوں کے مسائل کو اجاگر کرتا ہے اور بہت ہی شائستہ انداز میں لوگوں کو پیش کرتا ہے۔موجودہ حالات میں یہ ضروری ہے کہ پاکستان میں ایسے لوگوں کی بھرپور حوصلہ افزائی کی جائے جو کسی بھی فن کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور وہی معاشرے میں امن، خوشحالی اور خوشی کو جنم دے سکتے ہیں۔ایک فنکار لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکتا ہے یا پھر اس کی تخلیق انسانوں کے دلوں میں بیٹھ جاتی ہے تو وہ فنکار کو اس درجے پر پہنچا دیتی ہیں جہاں ایک ادیب، فنکار اور آرٹسٹ کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت جنم لیتی ہے اور پھر وہ اپنے چاہنے والوں کو ایسے پیغامات سے ہر بات سمجھا سکتا ہے کہ کس طرح سے معاشرے میں بسنے والے لوگ امن اور قوت برداشت کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔امن کے قیام کے لیے آرٹ کے تمام پہلو، موسیقی، ڈرامہ، رقص، فلم یہ سب مل کر ایک بھرپور پیغام دے سکتے ہیں اور امن کو واپس لانے میں بہت زیادہ مدد کرسکتے ہیں۔اسکے لیے ضروری ہے کہ ان کو معاشرے میں ایسے مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ وہ اپنے فن کو بہتر انداز میں پروان چڑھا سکیں۔

انتہا پسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کیلئے لائحہ عمل

محمد سہیل

انتہا پسندی کی اقسام میں انتہا پسندی بطورِ فلسفہ، انتہا پسندی بطورِ کلچر، انتہا پسندی بطور حقیقت اور انتہا پسندی بطورِ مکتبہ فکر شامل ہیں۔جب انتہا پسندی کسی بھی معاشرے میں بطورِ فلسفہ ابھرتی ہے، تب تک یہ محض کتابوں اور اشاعتی معاملات تک ہی محدود رہتی ہے جس کی وجہ سے اس کا اثر ایک عام انسان کی زندگی پر ایک حد تک ہوتا ہے۔انتہا پسند فلسفے کا اظہار محض معاشرے کی تعلیم یافتہ اشرافیہ میں الفاظ کی جنگ کے طور پر ہوتا ہے جو آخر کار محض اوراق اور اشاعت تک ہی متحد رہتی ہے۔اس قسم کی انتہا پسندی کا واحد نقصان معاشرے میں کلاس کی تفریق کے روپ میں ابھرتا ہے اور اس کی بنا پر ایک معاشرتی کلاس دوسری معاشرتی کلاس سے متصادم رہتی ہے۔اس کے برعکس جب انتہا پسندی ایک کلچر کے طور پر معاشرے میں ابھرنے لگتی ہے تب یہ لوگوں کے لیے اور ریاست کے لیے بالخصوص مہلک ثابت ہوتی ہے۔اس طرح کی انتہا پسندی معاشرے میں اس طرح ابھرتی ہے کہ عوام بنا جانے اس انتہا پسندی کے عادی ہو جاتے ہیں۔

انتہا پسندی دراصل کسی بھی معاشرے میں پیدا ہونے والی ایسی سوچ ہے جو کہ عوام الناس اور اکثریت کے خیالات کو رد کر کے انہیں غلط ثابت کرتی ہے۔کوئی بھی انسان انتہا پسند تب کہلاتا ہے جب اس کی نظر میں کسی بھی خاص نقطہ نظر کی حقیقت ناقابل قبول ہو جائے۔ ہمارے معاشرے میں بھی انتہا پسندی اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔زندگی کا ہر شعبہ ہمارے معاشرے میں کسی نہ کسی طرح انتہا پسندی کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ہمارا معاشرہ انتہا پسندی کی دوڑ میں کچھ اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ ہم اس معاشرے کی خامیاں اور اس معاشرے میں موجود انتہا پسند عناصر کو جاننے سے بھی قاصر ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں انتہا پسندی ایک میٹھے زہر کی طرح سرایت کر چکی ہے۔انتہا پسندی معاشرے میں پائی جانے والی ایک ایسی لعنت ہے کہ اس کی وجہ سے عوام الناس زندگی کے کسی بھی شعبے میں آزادی اور سکون کے ساتھ کچھ بھی نہیں کرسکتے اور زندگی کو مر مر کر جینے پر مجبور ہوتے ہیں۔ہم لوگ اس انتہا پسندانہ کلچر میں رہنے اور اسے برداشت کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔یہ بات معاشرے میں واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے کہ ہمارے انتہا پسندانہ معاملات کی وجہ سے ہم زندگی کے ہر بنیادی معاملے میں پسماندگی اور تنزلی کا شکار ہو رہے ہیں۔

سیاسی انتہا پسندی: ہمارے معاشرے میں سیاست کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔انتہا پسندانہ سوچ کی وجہ سے یہ معاشرہ اپنے ضمیر سے خالی دکھائی دیتا ہے۔سیاسی معاملات میں جعلی ڈگریوں والے سیاست دان اپنے سیاسی معاملات طے کرنے کے لئے کسی بھی حد تک جانے سے گریز نہیں کرتے۔

مذہبی انتہا پسندی: یہ انتہا پسندی پاکستانی معاشرے میں ہی نہیں بلکہ تقریباً تمام عالم اسلام میں انتہا کو پہنچ چکی ہے۔اسلام جو کہ ایک امن پسند دین ہے اسکو مسلم معاشرے کے اندر غلط سوچ نے کافی حد تک انتہا پسند کردیا ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی اسلام کے نام انتہا پسندی کی ایک پوری داستان موجود ہے۔کوٹ رادھا کشن میں عیسائی جوڑے کے ساتھ ہونے والا واقعہ مذہبی انتہا پسندی کی بدترین شکل ہے۔چند سال قبل سیالکوٹ میں دو نوجوان لڑکوں کو ڈنڈے اور لوہے کے راڈ مار مار کر ہلاک کردینا بھی اس ہی قسم کی انتہا پسندی کا ایک رخ ہے۔اس طرح یہ بات واضح ہے کہ ہمارا معاشرہ کئی قسم کی انتہا پسندانہ بیڑیوں میں جکڑا جا چکا ہے۔اس عمل کو بھی انتہا پسندی ہی کہیں گے کہ ہم سب اتنے بے ضمیر ہو چکے ہیں کہ ہمیں اس بات کا احساس تک نہیں کہ ہم اخلاقی پستی کی کتنی گہرائیوں تک پہنچ چکے ہیں۔

جمہوریت اور انسانی حقوق، انسانی حقوق اور معاشی ترقی کے مابین تعلق

ذکی نقوی

ہم نے جمہوریت کو ایک سیاسی اصطلاح اور ایک مخصوص طرزِ حکومت کے طور پر ہمیشہ پڑھا اور سُنا ہے لیکن اس خاص موضوع پر بات کرتے ہوئے ہمیں جمہوریت کا انسانی حقوق سے تعلق کو کے پیش نظر رکھتے ہوئے جمہوریت کو ایک روّیے کے طور پر بھی دیکھنا ہے۔ جمہوریت عوام کی حکومت کا نام ہے جس میں اقتدار اعلیٰ عوام میں نچلی سطح تک منتقل کیا جاتا ہے اور

اس کو ہر سطح پر پریکٹس کرنا عوام کی دسترس میں ہوتا ہے۔ پاکستان میں جمہوریت ہمیشہ ڈانواڈول رہنے کی وجہ سے ابھی تک ایک قابل عمل یا کامیاب طرز حکومت نہیں بن سکی جس کی ایک بڑی وجہ ہمارے معاشرے میں جمہوری روّیوں کا نہ ہونا ہے۔ یہ صرف تین مارشل لاء کی دین نہیں کہ ہمارے عوام الناس کے مزاجوں ہی سے جمہوری روّیے رخصت ہو چکے ہیں بلکہ ہزار سالہ ملوکیت، بادشاہت نے بھی برصغیر پاک و ہند کے عوامی مزاج میں مطلق العنان روّیوں کو شہہ دی ہے۔ اگرچہ اپنی اساس کی رو سے مذہب اسلام جمہوری روّیوں کو فروغ دیتا ہے مگر گزشتہ ہزار سالوں میں اسلام کی تشریح اس انداز سے ہوئی کہ مطلق العنان اور غیر جمہوری روّیے کو اسلام کی طرف سے سند اقبال مل گئی اور یہ عوام کے مزاج کا حصہ بنتا چلا گیا۔

غیر جمہوری رویے جمہوریت سے قولاً وعملاً انکار کرنے کی روش ہے۔ ہر سطح کی جمہوریت کا ذکر ہو گا تو ہم معاشرے کی اہم اکائی گھر سے آغاز کریں گے۔ اگر ہمارے گھروں میں سخت قسم کا پدرسری ماحول رائج ہے جہاں بچوں کو اپنی زندگی کے بنیادی اور معمولی فیصلے بھی آزادی اور اپنی خوشی سے کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس طرح گھر میں فرد کی سطح پر جمہوری روّیوں کو فروغ نہیں مل رہا۔ مدرسے میں اگر طلبہ کی سوچ پر اور ان کی سرگرمیوں پر بلا جواز قدغنیں لگائی جائیں گی تو وہ لامحالہ طور پر مطلق العنان روّیوں ہی کا عادی بنے گا۔ عملی زندگی میں بھی جب تھانے دار کی بدتمیزی یا پٹواری کی بد دماغی کا سامنا ہو گا تو ہمارا وہ شہری اسے اپنی قومی زندگی کا معمول سمجھے گا۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں جمہوریت اپنی درست حالت میں کبھی نافذ ہوئی ہی نہیں۔ جمہوری حکومتوں کے دوران بھی پس پردہ جاگیردار طبقہ جرنیل اور بیوروکریسی یا پھر سیاستدانوں کا نقاب چڑھائے ہوئے سویلین ڈکٹیٹر ہمارے سیاسی نظام اور اقتدار کے ہمیشہ مالک رہے ہیں۔ اس وجہ سے اکثر لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلط فہمی بیٹھ گئی ہے کہ جمہوریت ایک ناکام (flop) طرز حکومت ہے۔

یورپ کی روشن خیال جمہوری روایت نے انسانی حقوق کے شعور کو جدید دنیا میں بہت فروغ دیا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد لیگ آف نیشنز کا قیام اور دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کا قیام بھی دراصل عالمی سطح پر بنیادی حقوق انسانی یعنی زندگی اور آزادی کے تحفظ ہی کی کوشش تھیں۔ آج بھی دور جدید میں عالمی برادری انسانی حقوق کے حوالے سے بہت حساس ہے اور اپنے اہم سیاسی فیصلوں، خارجہ پالیسی اقدامات اور حتیٰ کہ اقتصادی رابطوں میں بھی انسانی حقوق کے سوال کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس کی ایک مثال پاکستان میں سزائے موت پر عمل درآمد کے حوالے سے یورپی یونین کے تحفظات ہیں جس کی وجہ سے ہمارے یورپی یونین کے ساتھ تجارتی اور معاشی تعلقات بھی شدید تناؤ کا شکار رہے ہیں۔ آج کی دنیا میں جن ممالک میں جمہوریت کامیابی سے چل رہی ہے وہاں انسانی حقوق کی صورت حال دنیا کے دیگر کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔ دراصل جمہوریت کی نمود اسی یقین سے ہوئی تھی کہ سب انسان برابر ہیں۔ یہ مساوات انسانی حقوق کے تمام تقاضوں کا ایک خلاصہ ہے۔ ہمارے ملک میں چونکہ جمہوریت کی حالت ابتر رہی ہے اور فوجی و سویلین تمام حکومتیں ایک طرح کے جبر سے ہی چلائی جاتی رہیں اس لیے ہمارے ہمارے ملک میں انسانی حقوق کی حالت بھی ابتر رہی ہے۔ صحافیوں کا قتل، سیاسی مخالفین پر تشدد، پولیس کے ذریعے عوام پر جبر، مذہبی اقلیتوں کی حق تلفی اور غریب، مزدور، عورت اور بچوں کا استحصال یہ سب اس سیاسی

یورپ کی روشن خیال جمہوری روایت نے انسانی حقوق کے شعور کو جدید دنیا میں بہت فروغ دیا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد لیگ آف نیشنز کا قیام اور دوسری جنگ عظیم کے بعد اقوام متحدہ کا قیام بھی دراصل عالمی سطح پر بنیادی حقوق انسانی یعنی زندگی اور آزادی کے تحفظ ہی کی کوشش تھیں

نظام کی ناکامی کے ثمرات ہیں جو کہ حقیقی جمہوریت کی غیر موجودگی میں چل رہا ہے۔

مثال کے طور پر ہم ایذا رسانی (Torture) ہی کو لیتے ہیں۔ پاکستان اقوام متحدہ کی کنونشن برائے انسداد ایذا رسانی (UNCAT1984) کا دستخطی ممبر ہے لیکن اس کے باوجود پاکستان میں ایک تحقیق کے مطابق 2006ء سے 2012ء تک ٹارچر کے واقعات کی تعداد سو فیصد بڑھی ہے۔ ایذا رسانی میں ملوث اکثر افسران اس وقت کی برسر اقتدار پارٹی کے بااثر سیاستدانوں کی سرپرستی میں تھے، ان کے معتمد خاص تھے یا پھر ان کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ان واقعات میں ملوث بیشتر پولیس افسران کبھی کسی احتساب یا قانونی کاروائی کی زد میں نہیں آسکے اور اگر آئے بھی تو سیاسی چھتری کے نیچے پناہ لے کر بچ نکلے۔ سیاسی مقاصد کے لیے ماورائے عدالت قتل، نسلی تعصب کو ہوا دینے، صنفی امتیازات روا رکھنے اور مخالفین کی آزادی پر قدغنیں عائد کرنا ہمارے سیاستدانوں کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے۔ یہ حقیقت اس امر کی غماز ہے کہ ہم جمہوریت پر کماحقہٗ کاربند نہیں۔ ہر بااختیار شخص اپنے سیاسی مخالفین کے بنیادی انسانی حقوق کو غصب کیے جا رہا ہے۔ حکومت کا جبر عوام میں سرکشی کا جواز فراہم کرتا ہے تو حقوق انسانی کی خلاف ورزی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ غیر جمہوری رویوں کا ایک بھیانک مظہر مذہبی اور فرقہ ورانہ تعصب کی بنا پر تشدد ہے۔ گوجرہ، بادامی باغ اور کالاک آباد کے واقعات پر جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔ جب تک حکومت جمہوری طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے انسانی حقوق کے تحفظ کو یقینی نہیں بنا دیتی، تب تک ہمارا معاشرہ اقتصادی اور معاشی بہتری کی راہ پر نہیں آسکتا۔ یہ انسانی حقوق کے کارکنان ہی کی نہیں بلکہ ہر پڑھے لکھے شہری کی ذمہ داری ہے کہ عوام الناس میں جمہوری رویوں اور انسانی حقوق کا شعور اجاگر کریں تاکہ ہمارا معاشرہ پائیدار معاشی ترقی کی طرف قدم بڑھا سکے۔

شکر گڑھ 30-31 اگست 2015ء

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے زیر اہتمام پنجاب کی تحصیل شکر گڑھ میں " انتہا پسندی کے خاتمے اور انسانیت دوست اقدار کے فروغ " کے عنوان سے 30-31 اگست 2015ء کو ریسٹ ہاؤس بالمقابل شکر گڑھ کچہری میں دو روزہ تربیتی ورکشاپ کا اہتمام کیا گیا۔ ورکشاپ میں حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار، مذہبی ہم آہنگی اور رواداری وقت کی اہم ضرورت ہے، انتہا پسندی کے انسداد/فروغ میں میڈیا کا کردار اور ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کی تربیت کی اہمیت، انتہا پسندی کیا ہے، اس کی مختلف اقسام، ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کیلئے لائحہ عمل جیسے موضوعات کا احاطہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ پنجاب میں کم سن بچوں کے نظام انصاف پر عمل درآمد کی صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔ مقررین میں ایچ آر سی پی کے پروگرام آفیسر حفیظ بزدار، ریجنل کوآرڈینیٹر عون محمد، ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر خالد جاوید بھٹی، منصور معین اور نعیم عبدالرحمٰن شامل تھے۔ ورکشاپ میں 12 خواتین سمیت 27 افراد نے شرکت کی جن میں صحافی، وکلاء، اُساتذہ، سماجی کارکنان، طلبہ اور دیگر مکاتب فکر کے لوگ شامل تھے۔ شرکاء کو ایک دستاویزی فلم دکھائی گئی جس کا عنوان تھا'' ہم آواز اٹھاتے رہیں گے'' اس دستاویزی فلم میں دکھایا گیا ہے کہ انسانی حقوق کی تحریک کا آغاز کیسے ہوا اور اس کاوش میں ایچ آر سی پی نے کیا کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں ورکشاپ میں " ہم انسان " اور "ضمیر کی عینک" کے نام سے دستاویزی فلمیں دکھائی گئی اور شرکا کو میڈیا سے متعلق ایک دستاویزی فلم دکھائی گئی۔ شرکا کو ایک اور دستاویزی فلم "انصاف سب کے لئے" دکھائی گئی جسکا مقصد پاکستانی معاشرے میں انصاف کے دوہرے معیار کی تصویر کشی تھا۔ ایچ آر سی پی کی اس کاوش کو بھی خوب سراہا گیا۔ شرکاء کے درمیان رواداری کے فروغ

کے لیے گروپ ورک اور گیمز بھی کروائی گیئں ۔ ورکشاپ کا آغاز حفیظ بزدار نے مہمانوں اور دیگر شُرکاء کو خوش آمدید کہہ کر کیا۔ ورکشاپ کی رپورٹ ذیل میں بیان ہے:۔

تعارف شرکاء، رجسٹریشن، قبل از ورکشاپ شرکاء کا استعدی جائزہ

عون محمد

پاکستان کی سلامتی کو درپیش مسائل، معاشرے میں عدم برداشت کے بڑھتے روّیے اور تشدد کے رجحانات ایک گھمبیر چیلنج بنتے جا رہے ہیں ۔ان سے نمٹنے کے لیے ریاستی سطح سے لے کر عوامی سطح تک، انفرادی اور اجتماعی کاوشوں کی ضرورت ہے ۔اسی ضرورت کے پیش نظر پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی کوشش ہے کہ ریاست اور دیگر سماجی و مذہبی طبقات کے ساتھ مکالمے اور مشاورت کے ذریعے ان طریقہ ہائے کار پر غور اور اتفاق پیدا کیا جائے اور ایک پر امن اور متوازن معاشرے کی جانب مثبت پیش رفت کی جا سکے۔ ہمیں اس وقت بدامنی کی مختلف صورتوں کا سامنا ہے اور آپکو بھی ان کا مکمل ادراک ہے۔ صرف مذہبی انتہا پسندی ہی نہیں بلکہ سیاسی و قبائلی تصادم اور پاکستان میں جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح بھی بدامنی کی صورتیں ہیں ۔ پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کی جانب سے انسانی حقوق کی تعلیم کے فروغ، انتہا پسندی سے آگاہی اور اس کی روک تھام کے لیے پورے ملک میں کوششیں جاری ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک کاوش آج کی ورکشاپ ہے۔ میں آپ سب کا بہت مشکور ہوں کہ آپ اپنے قیمتی وقت سے کچھ لمحات نکال کر یہاں تشریف لائے ہیں۔ ہمیں مل کر سوچنا ہے کہ انتہا پسندی جیسے سرطان کو روکنے کے لیے کن تدابیر کی ضرورت ہے ورنہ ہمارا معاشرہ بہت تیزی سے زوال کا شکار ہوگا۔ آپ سب سے درخواست ہے کہ ہماری ورکشاپ کے مقصد کو اچھی طرح سمجھیں اور اس کے فروغ میں اپنا کردار ادا کریں۔ اس کے علاوہ شرکاء کو تجزیاتی اور تجاویزی فارم دیئے گئے اور ورکشاپ کے ٹائم ٹیبل اور نشستوں کے دوران قوائد وضوابط سے شرکاء کو آگاہ کیا اور قبل از ورکشاپ شرکاء کا استعدی جائزہ لیا۔ استعدادی جائزہ میں شرکاء سے انسانی حقوق کے حوالے سے بنیادی 20 سوالات پوچھے گئے ۔جسکے لئے شرکاء کو 10 منٹ کا وقت دیا گیا۔

انسانی حقوق کے فروغ، حقوق کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لیے حکمت عملی کی تشکیل اور عوام تک رسائی حاصل کرنے میں سول سوسائٹی کا کردار

حفیظ بزدار

حقوق حق کی جمع ہے اور حق سے مراد ایک ایسا مفاد ہے جس کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ حق اور ضرورت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ ہر انسان کو پیدائش سے چند بنیادی حقوق مل جاتے ہیں مثلاً زندگی جینے کا حق، آزادی رائے کا حق ،معلومات لینے کا حق ،مل جل کر بیٹھنے کا حق ۔انسانی حقوق کی تحریک میں ہر دور کے علماء، صوفیا اور انقلابی رہنماؤں نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے احتجاج میں آواز بلند کی ہے۔ یہ تحریک مختلف مراحل میں سے گزرتی ہوئی ایک عالمی منشور پر آ کرُرکی جس نے اس تحریک کو باقاعدہ اور منظّم شکل دی۔ پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں کروڑوں جانوں کے ضیاع کے بعد اقوام عالم نے ایک معاہدہ قبول کیا جس کی پہلی شق کے مطابق تمام انسان بلا تفریق رنگ ونسل برابر ہیں۔ اس معاہدے کو دنیا میں انسانی حقوق کے عالمی منشور (UDHR) کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ 10 دسمبر 1948ء کو منظور کیا گیا۔ اس کی 30 شقیں ہیں جو انسانیت کو تمام بنیادی حقوق دینے کی ضامن ہیں۔ آج 192 مما لک اس معاہدے کو قبول کرتے ہیں اور انسانی حقوق کے فروغ کے لیے کوشاں ہیں۔

ہمارے گردونواح میں با اثر افراد نے سیاست کو ذاتی کاروبار یا جاگیر بنا لیا ہے۔ ہم لوگ بھی ووٹ کاسٹ کرتے وقت اپنے محلّے کے چودھریوں کو سامنے رکھتے ہیں۔ کسی پارٹی کے منشور یا قیادت کے نظریات کی قدر نہیں کرتے ۔ترقی یافتہ مما لک میں لوگ ووٹ صرف اور صرف پارٹی منشور یا پھر پارٹی قیادت کے مستقبل کی منصوبہ بندی کو سامنے رکھ کر کاسٹ کرتے ہیں۔ وہاں سیاست ایک ادارہ ہے جو بھی اہل ہوگا اسے موقع ملے گا۔ جبکہ ہمارے ہاں سیاست موروثیت کا شکار ہے ۔کوئی کسی ایم۔ این۔ اے کا بیٹا ہے تو وہ اگلی دفعہ ایم۔ این۔ اے کا امیدوار بنے گا۔ پارٹی کے دوسرے کسی رکن کو اجازت نہیں ملتی۔ یہاں ہمارے سیاسی حقوق کو قتل کیا جا رہا ہے۔ چونکہ ہم ووٹ غلط کاسٹ کرتے ہیں اس لیے سزا بھی ہمیں ہی بھگتنا پڑتی ہے۔

ہمارا معاشرہ 5 معاشرتی ستونوں پر کھڑا ہے خاندان، تعلیم ، مذہب، اکنامکس اور سیاست۔ ہماری سوچ کی بنیاد ہمارے خاندان سے شروع ہوتی ہے جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو ہم ہمارے آس پاس ہونے والے عوامل کو آہستہ آہستہ اپنا لیتے ہیں۔ کیونکہ میں آج جہاں ہوں ، جو بھی ہوں، اور جیسے ہوں یہ سب ایک حادثاتی بنیاد پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طرز فکر میں تبدیلی کا پہلا سبب خاندان ہے۔ دُنیا میں ہزاروں زُبانیں بولی جاتی ہیں جو کہ حالات و واقعات اور ضروریات کے پیش نظر سامنے آئیں۔ لیکن آج ہر زبان کی اپنی الگ پہچان ہے۔ اِس طرح مذاہب بھی مختلف ہیں اور ہر کسی کو ایک دوسرے کے عقیدے اور ایمان کی عزت کرنی چاہیئے۔ یہی ہمارا جمہوری روّیہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کے مذہب کا احترام کریں۔ جب ہم جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں تو پہلے یہ سوچ لینا چاہیئے کہ کیا ہمارے روّیوں اور ہمارے گھروں میں جمہوریت ہے؟ اصل مسئلہ ہی یہ ہے کہ ہمارے اندر جمہوری روّیے نہیں ہیں اور کوئی ایسا ادارہ بھی نہیں جو جمہوری روّیوں کے فروغ کے لیے کام کرتا ہو۔ ہماری سوچ میں تبدیلی کے لیے ہماری کمیونٹی بھی کارفرما ہوتی ہے اور کمیونٹی میں ہماری درسگاہیں اور سکول بھی شامل ہیں۔ ہمارے سکولوں میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اُس سے ہماری سوچ کی مزید ترقی ہوتی ہے لیکن وہ سوچ مثبت ہے یا منفی یہ نصاب پر منحصر ہے۔ ہمارے ملک کے آئین میں بھی انسانی حقوق شامل ہیں لیکن جب تک ہمیں یہ پتہ نہ ہو کہ ہمارے حقوق کیا ہیں، ہم کس سے وہ حقوق مانگ سکتے ہیں اور کون ہمارے حقوق دینے کا مجاز ہے اُس وقت تک حقوق کا حصول ناممکن ہے۔ ہماری درسگاہوں اور سکولوں میں پڑھائے جانے والے نصاب میں انسانی حقوق کی تعلیمات کا کہیں بھی ذکر نہیں جبکہ یورپی مما لک میں پانچویں جماعت تک طالب علموں کو اُن کے بنیادی حقوق کا پتا چل جاتا ہے۔ چنانچہ ہماری سوچ میں مثبت تبدیلی کے لیے ہمیں بنیادی انسانی حقوق کا پتہ ہونا بہت لازم ہے اور اِس کے لیے انسانی حقوق کی تعلیم کا عام ہونا بہت ضروری ہے۔ لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ حق کیا ہوتا ہے اور اُسے کیسے اور کہاں سے حاصل کرنا ہے۔ اِس کے لیے ریاست کا کردار مثبت ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ ریاست ایک ماں ہوتی ہے اور جس طرح ہماری سوچ کی بنیاد ہمارا خاندان ہے اُسی طرح سوچ میں مثبت تبدیلی کے لیے ریاست کردار بھی اہم ہے۔

انتہا پسندی کیا ہے ،اسکی مختلف اقسام ، ہماری زندگیوں پر اثرات اور روک تھام کے لیے لائحہ عمل

نعیم عبدالرحمٰن

دنیا کے تمام مذاہب کی بنیادی اساس کم وبیش ایک ہی ہے۔ سب بنیادی انسانی حقوق اور امن وشانتی کے داعی ہیں ۔کوئی مذہب آپ کو چوری، ڈاکہ زنی اور حق تلفی کا درس نہیں دیتا۔ کسی نے خوب کہا ہے ’’جہالت تو تعصب کی ماں ہے‘‘۔ جب مذاہب کا بنیادی مقصد بھی ایسے معاشرے کی تشکیل ہے جہاں امن خوشحالی اور رواداری ہو تو پھر ہر طرف فساد کیوں برپا ہے؟ مذہب کے نام پر قتل وغارت گری کیوں ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مذہب کے بیوپاریوں نے اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنے

عزائم کی تکمیل کے لیے شہنشاہوں نے اسے اپنا آلہ کار بنایا ہو۔ دنیا کی تاریخ یہی بتاتی ہے کہ مذاہب برے نہیں، مذاہب متشدد نہیں مگر ان کے پیروکاروں نے ان کا غلط استعمال کیا۔ اگر آج مسلمان بدنام ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسلام متشدد دین ہے۔ اگر آج برما میں بدھ مت کے ماننے والے ظلم و بربریت کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہ لیا جائے کہ بدھ مت کی تعلیمات ظلم و ناانصافی پر مبنی ہیں۔ ہر مذہب ہمیں امن و آشتی اور ہم آہنگی کا درس دیتا ہے مگر اس کے پیروکاروں نے ان کی شکلیں بگاڑ دی ہیں۔ بطور انسانی حقوق کے کارکن ہمیں ان پہلوؤں پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ انتہا پسندی دراصل روّیے کا نام ہے' سوچ کا نام ہے۔ ہمیں روّیوں کی سائنس کو سمجھنا چاہیے۔ جب کوئی شخص اپنے عقیدے، مسلک، نظریہ یا کسی سوچ میں ایک حد سے آگے چلا جاتا ہے تو پھر وہ یہی چاہتا ہے کہ جس طرح وہ سوچتا ہے سبھی ویسا سوچیں، جس طرح وہ چاہتا ہے سبھی ویسا چاہیں۔ ویسا کروانے کے لیے وہ شخص کسی بھی قسم کی طاقت استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔ انتہا پسندی کی بہت سی اقسام ہیں۔ صرف مذہبی انتہا پسندی کی طرف ہماری نظر نہیں جانی چاہئے بلکہ سماج میں اور بھی بہت سے روّیے ایسے ہیں جو انتہا پسند ہیں۔ مثلاً جب کسی عورت کے چہرے پر تیزاب پھینکا جاتا ہے یا اس کو جلا دیا جاتا ہے آپ اس عمل کو کیا نام دیں گے؟ کیا یہ انتہا پسندی نہیں؟ جب آپ کے جاگیردار آپ سے شناختی کارڈ چھین لیتے ہیں اور آپ سے آپ کا ووٹ کا حق چھین لیتے ہیں تو اسے آپ کیا نام دیں گے؟ انتہا پسندی کے اثرات تو بہت ہی برے ہیں جس طرح کہا جاتا ہے۔ محبت' محبت کو جنم دیتی ہے اسی طرح انتہا پسندی سے انتہا پسندی جنم لیتی ہے۔ معاشرے میں بدامنی، فساد، بے چینی اور معاشی بدحالی کو انتہا پسندی سے قطعاً لاتعلق نہیں سمجھا جا سکتا۔ جب دنیا میں آپ کا تشخص انتہا پسند ملک کے طور پر ہوگا تو آپ کے ملک میں کوئی سرمایہ کاری کیوں کرے گا؟ لہذا ہمیں نہ صرف اپنے گردو پیش بلکہ اپنے روّیوں پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

انتہا پسندی کے انسداد / فروغ میں میڈیا کا کردار اور ذرائع ابلاغ سے منسلک افراد کی تربیت کی اہمیت

عون محمد

میڈیا دراصل ایک ذریعہ ہے جس سے ہمیں علم، معلومات اور تفریح مہیا کی جاتی ہے۔ میڈیا کی مختلف اقسام ہیں جن میں سرفہرست الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا ہیں ،ایک نئے رجحان سے ہماری قوم آجکل منسلک ہے جو کہ انٹرنیٹ سوشل میڈیا ہے۔ سوشل میڈیا کے کچھ اپنے فائدے اور کچھ نقصانات ہیں۔ سوشل میڈیا کے منفی پہلو کی واضح مثال آج کل داعش کی طرف سے شام میں جہاد کے لیئے لوگوں کو دعوت نامے کا سوشل میڈیا کی ویب سائٹس فیس بک پر اپلوڈ ہونا ہے۔ ایسی پوسٹ کی کچھ لوگ مذمت کرتے ہیں جبکہ وہ لوگ جو ایک داعش جیسی ذہنی مطابقت رکھتے ہیں اس طرح کی پوسٹ سے متاثر ہوتے ہیں اور اپنے اردگرد کے لوگوں کی ذہن سازی شروع کر رہے ہیں۔ پاکستان میں الیکٹرانک میڈیا یعنی ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن سرکاری اختیار میں ہے اس نے ماضی میں ہمارے معاشرے کو مذہبی شدت پسند بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ سرکاری میڈیا نے اجارہ داری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مایوس کن کردار ادا کیا جسکا نتیجہ آج ہماری قوم سخت جانی اور مالی نقصان کی صورت میں اٹھا رہی ہے۔ اس میڈیا نے ایک خاص اسلامی نقطہ نظر پیش کیا اور برسوں تک لوگوں کی ذہن سازی کی۔ حالیہ سیاسی اور عسکری کشیدگی پر غور کریں تو واضح ہو جاتا ہے طالبان کے ساتھ مذاکرات کرنے کے لئے سب سے زیادہ وکالت سرکاری میڈیا کی طرف سے ہی کی گئی۔ فضل اللہ نے سوات پر قبضے کے بعد اپنی خاص مذہبی اور دہشتگردی کی تبلیغ کے لیئے FM ریڈیو اسٹیشن کا سہارا لیا۔ اس میڈیا کو فضل اللہ نے اسطرح استعمال کیا کہ سوات کے لوگ اسکی باتوں کے قائل ہوگئے اور اپنے نوجوان لڑکوں کو جہاد میں شمولیت کی اجازت دی۔ پھر جب فضل اللہ کے پیش کردہ جہاد کی اصلیت جہاد کے ذریعے لوگوں پر آشکار ہوئی تو لوگ متنفر ہوگئے اور اس خاص سوچ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ سرکاری میڈیا نے ہمیشہ ملک کے اندرونی اور بیرونی حالات کا نرم تاثر ہی پیش کیا ہے۔ ہمیشہ اچھی اچھی خبریں لگائی جاتی ہیں۔ سرکاری سطح پر کوشش کی جاتی ہے کہ ہر وہ خبر لگائی جائے جو حکومت وقت کے مفاد میں ہو۔

ذرائع ابلاغ شروع سے ہی شدت پسندی کے مظہر کو بڑھاوا دینے میں اپنا کردار ادا کرتا رہا ہے۔ 1950 میں حکومت پنجاب نے شدت پسندانہ خیالات کی اشاعت اور فروغ کے لئے ذرائع ابلاغ کو استعمال کیا۔ اس وقت کی حکومت کے ڈائریکٹریٹ آف انفارمیشن نے ان اخبارات کو رقوم ادا کیں جو احمدیوں کے خلاف شدت پسندانہ خیالات کی تشہیر کرتے تھے۔ یہ معاملہ ایک انکوائری کمیٹی کے روبرو پیش ہوا اور نوائے وقت کے حمید نظامی نے اسکی توثیق کی۔ ہر اخبار کی اپنی ایک پالیسی ہوتی ہے مثلاً انگریزی اخبار Daily Times کی پالیسی شدت پسندی کے خلاف ہے جبکہ بعض اخبارات کی پالیسی شدت پسندی کے حق میں ہے۔ کسی اخبار کا ایک پورا صفحہ طالبان کے لیے وقف ہے اور یہ طالبان اور دہشتگردوں کو عسکریت پسند کہتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کو باقی معاشرے سے الگ تھلگ نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرتی عوامل اس پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ ضیاء الحق کے دور حکومت میں ذرائع ابلاغ پر اثر انداز ہونے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی۔ ایک مذہبی سیاسی جماعت چونکہ جنرل ضیاء الحق کے بہت قریب تھی اور ضیاء نے اس جماعت کو افغان جنگ میں بھی استعمال کیا تھا۔ اس زمانے میں بہت سے لوگ ذرائع ابلاغ میں شامل ہوگئے جنہوں نے صحافیوں کی ایک یونین آف جرنلسٹس کی بنیاد رکھی اور وہ تمام اُس سیاسی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس گروپ کے لوگوں نے اپنے اپنے لوگ شامل کیئے۔ اسکے علاوہ انہوں نے بہت سے ذرائع ابلاغ کے لوگوں کو خریدا اور اپنے اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا۔ اس قسم کے لوگ اگر چہ اخبارات کی پالیسی کو براہ راست متاثر نہیں کرتے تاہم اگر ایک شخص نیوز روم میں یا رپورٹنگ میں ایک خاص سوچ لیکر بیٹھا ہوا ہے تو اسکے پاس موقع ہوتا ہے کہ وہ کسی بھی خبر کو بڑھا چڑھا کر پیش کرے یا کوئی خبر اس طرح دے کہ اسکی اہمیت کم ہو جائے۔

پاکستانی ذرائع ابلاغ بالواسطہ طور پر اور دبے لفظوں میں شدت پسندوں کی حوصلہ افزائی کرتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر لال مسجد کے معاملے کو لے لیں۔ اس پر میڈیا نے یکطرفہ کردار ادا کیا۔ جن شدت پسند تنظیموں پر پابندی ہے انکی خبریں بھی مسلسل چھپ رہی ہیں صرف انکے نام کے ساتھ سابقہ کا لفظ لگ جاتا ہے۔ شدت پسندی سے جڑے ہوئے واقعات کو جس قدر تشہیر ملنی چاہیے ہمارا میڈیا بریکنگ نیوز کے چکر میں ان واقعات کو زیادہ تشہیر دیتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ اگر کہیں پٹاخہ بھی پھٹتا ہے تو کہہ دیا جاتا ہے کہ دھماکے کی آواز سنی گئی ہے اور پولیس جگہ کا تعین کر رہی ہے۔ اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ شدت پسندوں کے حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔ طالبان کے ترجمان کو بہت زیادہ کوریج ملتی ہے۔ بعض گروہ ایسے بھی ہیں جو اس قسم کی کاروائیوں میں ملوث نہیں ہیں لیکن وہ باجوڑ یا کسی ایسی جگہ بیٹھ کر ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں ذرائع ابلاغ میں گیٹ کیپنگ کی روایت معدوم ہو رہی ہے۔ جو شخص میڈیا سے منسلک ہے اسے ایک گیٹ کیپر کے طور پر کام کرنا چاہیے۔ نیوز رپورٹر یا ایڈیٹر کو خبر کی اشاعت کے حوالے سے فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ اگر کوئی خبر فائدے کی نسبت زیادہ نقصان کرے گی تو وہ اسے روک لے۔

ہمارا الیکٹرانک میڈیا حال ہی میں سامنے آیا ہے اور لوگ

اسکے لئے مناسب طور پر تربیت یافتہ نہیں ہیں۔ پرنٹ میڈیا میں جب کوئی چیز تحریر ہوتی ہے تو تحریر کرنے والے کے پاس کچھ وقت ہوتا ہے کہ وہ اسکو دوبارہ دیکھ سکے اور پھر وہ تحریر مدیر کی نظر سے بھی گزرتی ہے۔لیکن الیکٹرانک میڈیا میں ایسا نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے ہمارے ٹی وی چینل شدت پسندی سے متعلق واقعات کو اکثر غیر موزوں طریقے سے پیش کرتے ہیں۔مزید براں پاکستان میں پرنٹ میڈیا کے پاس کوئی ڈیڑھ سو سال کا تجربہ ہے جبکہ الیکٹرانک میڈیا مقابلتاً نوخیز ہے۔

میڈیا دراصل آجکل مارکیٹ فورسز کے تحت چل رہا ہے۔ اب مارکیٹ کیا چاہتی ہے وہ معاشرے کا عمومی طرز عمل ہے۔ میڈیا بھی اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے۔اگر معاشرہ انتہا پسند نظریات سے لیس ہے، یعنی ریاست کی عملداری کم ہوچکی ہے اور انتہا پسند حلقوں کا رسوخ معاشرے پر زیادہ ہے تو میڈیا میں بھی وہی چیز آپکو نظر آئے گی۔میڈیا عدم استحکام میں اضافے کا باعث بن رہا ہے، شائد اسلئے کہ اسے جو آزادی ملی ہے وہ ابھی نئی نئی ہے۔خاص طور پر الیکٹرانک میڈیا کے حوالے سے تو یہی لگتا ہے اسے تجربہ نہیں ہے اور رہنمائی بھی نہیں ہے۔میڈیا اس امر کو مسلسل نظر انداز کر رہا ہے کہ ایسا کرنے سے مستقبل میں اظہار رائے کی آزادی رکھنا مشکل ہوجائے گا۔

پنجاب میں کمسن بچوں کے نظام انصاف پر عملدرامد کی صورتحال

منصور معین

بچے ہمارے معاشرے کا بہت اہم حصہ ہیں اس لیے خصوصی توجہ اور اہمیت کے حامل ہیں۔ بچے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ اپنے فائدے اور نقصان کو سمجھ سکیں یا اپنا دفاع کر سکیں۔اس وجہ سے وہ مختلف زیادتیوں اور ناانصافیوں کا شکار بنتے ہیں۔بعض مرتبہ بچوں کو مختلف جرائم میں پھنسا دیا جاتا ہے یا وہ اپنے اردگرد کے ماحول، بری صحبت اور دباؤ کی وجہ سے چھوٹے بڑے جرائم سرزد کر دیتے ہیں۔ایسے بچے جو سنگین نوعیت کے جرائم میں ملوث ہوں انکے لیے غیر معمولی بنیادوں پر اور خاص طریقہ کار کے مطابق کارروائی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اسطرح کے بچوں کی اصلاح اور انکی معاشرے میں شمولیت کے مثبت اقدامات اٹھانا ریاست کی ذمہ داری ہے۔اس بارے میں ہمارے ملک میں قوانین کتابوں میں ضرور موجود ہیں لیکن ان پر باقاعدگی سے عمل نہیں کروایا جارہا ہے۔ ماضی میں جرائم میں ملوث کمسن بچوں کے لیے قانونی کاروائیاں انہی قوانین کے مطابق کی جاتی تھیں جو قوانین بڑوں کے لئے تھے۔اس وجہ سے فوجداری قوانین میں بچوں کے لیے الگ نظام قانون کی ضرورت رہی ہے۔اس طرح کے قوانین کا مقصد صرف سزا دینا نہیں بلکہ اخلاقی، تعلیمی اور فنی تربیت دینا ہے تاکہ ایسے بچوں کی اصلاح ہوسکے۔ اسلامی قوانین میں بھی بچوں سے متعلق سزاؤں کا طریقہ کار مختلف ہے، اور انہیں حد اور قصاص جیسی سزاؤں سے استثناء حاصل ہے۔

بچے ہمارے معاشرے کا بہت اہم حصہ ہیں اس لیے خصوصی توجہ اور اہمیت کے حامل ہیں۔ بچے ذہنی اور جسمانی لحاظ سے اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ اپنے فائدے اور نقصان کو سمجھ سکیں یا اپنا دفاع کر سکیں۔اس وجہ سے وہ مختلف زیادتیوں اور ناانصافیوں کا شکار بنتے ہیں۔بعض مرتبہ بچوں کو مختلف جرائم میں پھنسا دیا جاتا ہے یا وہ اپنے اردگرد کے ماحول، بری صحبت اور دباؤ کی وجہ سے چھوٹے بڑے جرائم سرزد کر دیتے ہیں۔ایسے بچے جو سنگین نوعیت کے جرائم میں ملوث ہوں انکے لیے غیر معمولی بنیادوں پر اور خاص طریقہ کار کے مطابق کارروائی کرنا ضروری ہوتا ہے۔اسطرح کے بچوں کی اصلاح اور انکی معاشرے میں شمولیت کے مثبت اقدامات اٹھانا ریاست کی ذمہ داری ہے۔

پاکستان میں سال 2000ء میں بچوں سے متعلق "جوینائیل جسٹس سسٹم آرڈیننس 2000 " آیا۔اس سے قبل صوبہ پنجاب میں Punjab Youthful Offenders Act 1952 موجود تھا جسکو منسوخ کر کے Punjab youthful offenders ordinance 1983 بنایا گیا۔مگر اس آرڈیننس میں صرف دو دفعات کو فعال رکھا گیا اور بقیہ دفعات کے بارے میں یہ کہا گیا کہ حکومت جب چاہے گی بذریعہ نوٹیفیکشن یا آفیشل گزٹ ان کو نافذ کیا جائے گا۔اس آرڈیننس کی دفعہ 2 شق (a) میں بچے کی تعریف یہ کی گئی کہ جسکی عمر 15 سال پوری نہ ہوئی ہو۔ جبکہ جوینائیل جسٹس سسٹم آرڈیننس 2000 میں بچے کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جسکی عمر ارتکاب جرم کے وقت 18 سال سے کم ہو۔ Punjab youthful offenders ordinance 1983 کے مطابق صوبہ پنجاب میں After Care Association, Approved Homes, Voluntary Homes اور Place of Safety بنانے کا ذکر تھا مگر اس قانون پر بھی کوئی خاطر خواہ عمل نہ ہوا۔ بعد ازاں یہ قانون منسوخ کر کے محروم ونظرانداز شدہ بچگان ایکٹ 2004ء متعارف کرایا گیا۔اگرچہ یہ قانون بچوں کے جرائم سے متعلق نہیں ہے مگر اس قانون میں بچوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے چند دفعات کو شامل کیا گیا۔

بچوں کے جرائم کے حوالے سے اسوقت ملک میں بشمول صوبہ پنجاب "جوینائیل جسٹس سسٹم آرڈیننس 2000 " نافذ ہے۔مگر اسکی عملی شکل قانون کے مطابق نظر نہیں آتی۔اس قانون میں بچوں سے متعلق جو خاص شقیں درج کی گئی ہیں وہ اسطرح سے ہیں۔

۱۔ علاقائی سطح پر ایک یا ایک سے زائد بچوں کی فوجداری عدالتوں کا قیام۔ ہائی کورٹ ماتحت عدالتوں یا درجہ اول کے جوڈیشل مجسٹریٹ کو جوینائیل کورٹ کے طور پر کام کرنے کا اختیار دے۔

۲۔ ایسے بچے جو کسی جرم یا فوجداری مقدمے میں ملوث پائے جائیں انہیں ریاست کی طرف سے قانونی مدد فراہم کی جائے۔ایسے بچوں کے مقدمات کی سماعت صرف جوینائیل کورٹس کریں گی اور بچوں سے متعلق فوجداری مقدمات چار ماہ کے اندر نمٹائے جائیں گے۔

۳۔ پولیس اگر کسی بچے کو کسی جرم میں گرفتار کرے گی تو فوری طور پر گرفتاری کی اطلاع اسکے گھر والوں کو دے گی اور انہیں جرم، وقت اور تاریخ کے بارے میں آگاہ کیا جائے گا اور یہ بھی بچے کو کونسی جوینائیل کورٹ میں پیش کیا جانا ہے۔

۴۔ قابل ضمانت جرم میں بچوں کو ضمانت پر رہا کر دیا جائے گا۔

۵۔ ایسا بچہ جسکی عمر 15 سال سے کم ہو اور اس سے ناقابل ضمانت جرم سرزد ہوجائے تو عدالت ایسے جرم کو قابل ضمانت تصور کرکے بچے کی ضمانت منظور کرلے گی۔البتہ ایسا بچہ جسکی عمر 15 سال سے زائد ہو اور 18 سال سے کم ہو اور اس سے کوئی سنگین جرم سرزد ہو تو پھر ضمانت عدالت کی صوابدید پر منظور ہوگی۔ کسی بچے کو ہتھکڑی یا بیڑیاں نہیں لگائی جائیں گی۔ دوران قید کسی بچے سے مشقت نہیں کرائی جائے گی اور نہ ہی اسے کوئی جسمانی سزا دی جائے گی۔ پروبیشن آفیسر بچے کے کردار سے متعلق رپورٹ بنا کر متعلقہ جوینائیل کورٹ کو فراہم کرے گا۔ بچے سے متعلق کوئی شناخت یا جوینائیل عدالت کی کارروائی سے متعلق کوئی بات کسی اخبار یا جریدے وغیرہ میں نہیں چھاپی جائے گی۔

۶۔ کسی بچے کو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔

۷۔ اگر کسی بچے کی عمر کے متعلق کوئی سوال یا اعتراض ہو تو اسکا تعین عدالت بذریعہ انکوائری یا میڈیکل رپورٹ کرے گی۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ قوانین پر عمل درآمد انکی حقیقی روح کے مطابق کیا جائے۔

قانون نافذ کرنے والے ادارے

ایک پولیس اہلکار ہلاک، ایک زخمی

صوابی نامعلوم حملہ آوروں نے علاقے میں گشت کرنے والے دو پولیس اہلکاروں پر فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں ایک پولیس اہلکار ہلاک اور دوسرا زخمی ہوگیا۔ ڈی پی او جاوید اقبال کا کہنا ہے کہ 30 نومبر کو دونوں اہلکار ٹھنڈ کوئی کے علاقے میں موٹر سائیکل پر معمول کی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے کہ اس دوران موٹر سائیکل پر سوار دو نامعلوم حملہ آوروں نے ان پر فائرنگ کردی۔ کانسٹیبل امتیاز خان جس کا تعلق گاؤں مناگی سے تھا، موقع پر جاں بحق ہوگیا۔ سرکاری عہدیداروں کا کہنا ہے کہ یہ ٹارگٹ کلنگ کا واقعہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق دہشت گردی سے ہے۔

(ایچ آر سی پی پشاور چیپٹر آفس)

70 فیصد قیدیوں کے کیسز زیر سماعت

کوئٹہ سینئر مشیر برائے قانون احسان احمد کھوکھر نے انکشاف کیا ہے کہ پاکستان میں 70 فیصد قیدیوں کے کیسز زیر سماعت ہیں۔ جمعے کو ایک پریس کانفرنس سے خطاب میں انہوں نے کہا کہ ملک کی 87 جیلوں میں 80 ہزار سے زائد قیدی موجود ہیں جن میں سے 70 فیصد کے کیسز زیر سماعت ہیں۔ سپریم کورٹ کے احکامات پر کمشنر اور وفاقی محتسب کے حکام نے کوئٹہ ضلع کی جیل کا دورہ کیا جس کے دوران حکام نے قیدیوں کی شکایتیں سنیں۔ انہوں نے بتایا کہ سپریم کورٹ نے جیلوں میں قیدیوں کی صورت حال بہتر بنانے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ کوئٹہ اور صوبے کی دیگر جیلوں میں قیدیوں کو بنیادی سہولیات بھی میسر نہیں جبکہ حکومت نے تمام جیلوں میں تعلیمی سہولیات فراہم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس وقت کوئٹہ جیل میں 43 قیدی زیر تعلیم ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ حکومت اس سلسلے میں مختلف جامعات سے رابطے کررہی ہے تاکہ قیدیوں کو بہترین تعلیمی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔

(نامہ نگار)

جہد حق پڑھنے والوں کے خطوط

وظائف کی فراہمی کا مطالبہ

ٹوبہ ٹیک سنگھ حکومتِ پنجاب کی جانب سے 1971ء میں ورکرز ویلفیر فنڈ آرڈیننس کے تحت پنجاب ورکرز ویلفیئر بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔ لیبر ویلفیر بورڈ کی جانب سے مزدوروں کے لیے میرج گرانٹ، ڈیتھ گرانٹ، نئی کالونیوں کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ان کے بچوں کے لیے اسکولز کے قیام اور وظائف کا اجراء بھی کیا جاتا ہے۔ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ میں فی الوقت تین ٹیکسٹائل اور دو شوگر ملز کے علاوہ متعدد پاورلومز کے یونٹس قائم ہیں جہاں تیس ہزار سے زائد مزدور کام کررہے ہیں۔ ان مزدوروں کی اکثریت گزشتہ چار سال سے اپنے بچوں کی تعلیم جاری رکھنے کے لیے لیبر ویلفیر ورکرز بورڈ کی طرف سے تعلیمی وظائف کی منتظر ہے۔ واضح رہے کہ حکومت پنجاب کی جانب سے انٹرمیڈیٹ میں تعلیم حاصل کررہے بچوں کے لیے انیس ہزار، گریجویشن کے لیے بیالیس ہزار، ماسٹرز ڈگری کے لیے پچاس ہزار جبکہ ایم بی بی ایس کے لیے ایک لاکھ روپے وظیفہ مقرر ہے۔ تعلیمی وظیفہ کے حصول کے لیے لازم ہے کہ مزدور جس صنعتی ادارے میں ملازم ہے وہ لیبر ورکر بورڈ سے رجسٹرڈ ہو اور اس کی مدت ملازمت کم از کم تین سال ہو۔ اس مقصد کے لیے لیبر ویلفیئر آفس میں فارم جمع کروائے جاتے ہیں جس کے بعد بچوں کو تعلیمی وظیفہ جاری کیا جاتا ہے۔ غلام محمد نامی مزدور کو شکوہ ہے کہ ان کے بچوں کو گزشتہ چار سال سے تعلیمی وظائف جاری نہیں کیے گئے جبکہ وظیفہ کے لیے جمع کروائے جانے والے فارم پر لیبر ویلفئر کا عملہ ناجائز اعتراضات لگا کر واپس کردیتا ہے جس کی وجہ سے انھیں بار بار دفتر کے چکر لگانا پڑتے ہیں۔ 50 سالہ غلام حسین عوامی ٹیکسٹائل ملز گوجرہ میں ملازم ہیں، انھوں نے بتایا کہ ان کا بیٹا محمد امجد ایف اے کا طالب علم ہے جس کے لیے پچھلے سال انھوں نے سکالرشپ کے فارم جمع کروائے تھے۔ غلام حسین کا کہنا تھا کہ فارم جمع کروائے ایک سال سے زائد کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن ابھی تک سکالرشپ نہیں ملا۔ انہوں نے کہا کہ "پہلے تو فارم جمع کراتے وقت عملہ فارمز میں بلاوجہ غلطیاں نکالتا ہے اور ہر بار نیا فارم خریدنا پڑتا ہے، اس کے بعد اگر فارم جمع ہوگیا ہے تو اب وظیفہ کے لیے کئی سال کا انتظار مقدر بن چکا ہے۔" اکاڈ ٹیکسٹائل ملز پیرمحل میں کام کررہے 55 سالہ غلام محمد بتاتے ہیں کہ ان کا بیٹا محمد عظیم بی اے کا طالب علم ہے مگر ان کے بیٹے کو ابھی تک سکالرشپ کی رقم ادا نہیں کی گئی ہے۔ "وظیفہ کی رقم سے تعلیمی اخراجات پورے کرنے میں مدد مل جاتی ہے اور گھر کا نظام بھی آسانی سے چل جاتا ہے مگر گزشتہ کئی سالوں وظیفہ کی ادائیگی نہیں ہوئی جس کی وجہ سے گھر کے مالی حالات خراب ہیں۔" ان کا کہنا تھا کہ اگر وظیفہ کی رقم ادا نہ کی گئی تو انھیں مجبوراً بیٹے کو پڑھائی سے ہٹا کر اپنے ساتھ مزدوری پر لگانا پڑے گا تاکہ گھر کا خرچہ پورا کیا جاسکے۔ مزدور تنظیم پاک لیبر اتحاد کے سیکرٹری جنرل فضل حق ساجد کا کہنا تھا کہ سوشل سکیورٹی، ای او بی آئی اور لیبر ویلفئر بورڈ جیسے ادارے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لیے بنائے گئے ہیں اور صنعتی ادارے انھیں ہر ماہ اربوں روپے فنڈز جمع کرواتے ہیں۔ ان کا مؤقف تھا کہ لیبر ویلفیئر بورڈ کا عملہ مزدوروں کو سہولت فراہم کرنے کی بجائے اکثر اعتراضات لگانے پر اکتفا کرتا ہے جس کے سبب مزدوروں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلہ میں محکمہ لیبر ویلفیئر بورڈ کے شعبہ (سکالرشپ) کے انچارج محمد رفیق کا کہنا تھا کہ وہ وظیفہ کی فائل مکمل کرکے رقم کی ادائیگی کے لیے لاہور بھیج دیتے ہیں جس کے بعد وہاں سے تاخیر کی جاتی ہے اور اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ اُن کا مزید کہنا تھا کہ فارم کی وصولی ان کے فرائض میں شامل ہے تاہم اگر فارم نامکمل ہو تو وہ اسے تصحیح کے لیے واپس کرتے ہیں اور یہ کہنا درست نہیں کہ ان کی جانب سے فارمز پر ناجائز اعتراضات لگائے جاتے ہیں۔

(نامہ نگار)

In both these cases, the lawyers and the families of the accused had alleged that police had tortured the accused to extract confession statements.

On October 10, World Day against the Death Penalty, HRCP urged the government to take stock of the pressing issues that had arisen after the moratorium on execution was terminated in December 2014. It emphasized particularly the urgent need to introduce safeguards in instances where the age of the convict or his or her mental or physical ability was in question.

HRCP demanded that "that these new issues should be urgently addressed through a conscious policy and not merely through last minute action in response to pleas from civil society in individual cases."

In October 2015, HRCP urged the government to take stock of the pressing issues that had arisen after the moratorium on execution was terminated and to introduce safeguards in instances where the age of the convict or his or her mental or physical ability was in question. It demanded that "these new issues should be urgently addressed through a conscious policy and not merely through last minute action in response to pleas from civil society in individual cases."

In instances where a juvenile is accused of any crime, the State is under an obligation to ensure that the accused enjoy special protection and is treated, because of his age, in a manner that is different from the one being used for treating the adult accused. Pakistan has agreed to abide by a specific obligation not to sentence to death or execute anyone for crimes when a suspected is younger than 18. This obligation emanates from Pakistan's ratification of the CRC.

Some headway in this respect was made more than 15 years ago when the government had promulgated the Juvenile Justice System Ordinance (JJSO) 2000 which introduced safeguards for juveniles accused of criminal offences.

In 2004, the law was struck down by the Lahore High Court (LHC), which declared the ordinance to be unconstitutional and impractical and called for enacting a new law that addressed the issues of juveniles.

However, the Supreme Court of Pakistan temporarily suspended the LHC judgement in February 2005, after admitting appeals, filed by the federation and a non-government organisation (NGO) for child rights protection, for regular hearings. But these appeals are still pending.

Amid legal challenges as well as long delays and utter failure to operationalize the infrastructure envisaged for protecting the rights of minors and juveniles caught up in the justice system, the JJSO has failed to make an impact.

The failure is epitomized by the fact that despite Section 4 of the ordinance making it binding for the federal and the provincial governments to establish a juvenile court in each district, such courts remain conspicuous by their absence. The requirement of keeping juvenile offenders separate from adult suspects is also not being met in some cases.

And despite the constitutional guarantees to protect the child, and the obligation Pakistan has assumed under the Convention on the Rights of the Child, there the matter rests. A state that attaches importance to how its children are treated must attach more priority to such pressing issues.

The juvenile in the justice system

Since the resumption of executions in Pakistan, following the Peshawar school attack in December 2014after more than five years of informal moratorium on hangingsthe question of safeguards in the justice system for the rights of juvenile suspects and offenders has frequently been raised over the course of 2015.

The point was agitated most vehemently in the case of Shafqat Hussain, a death row prisoner whose lawyers claimed that he was a juvenile at the time of the offence for which he was sentenced to death.

A number of warrants for his execution were issued and he received last-minute reprieve a number of time, as his lawyers kept trying to persuade the courts and the authorities that Shafqat's life should be spared because of his age at the time of the commission of the offence.

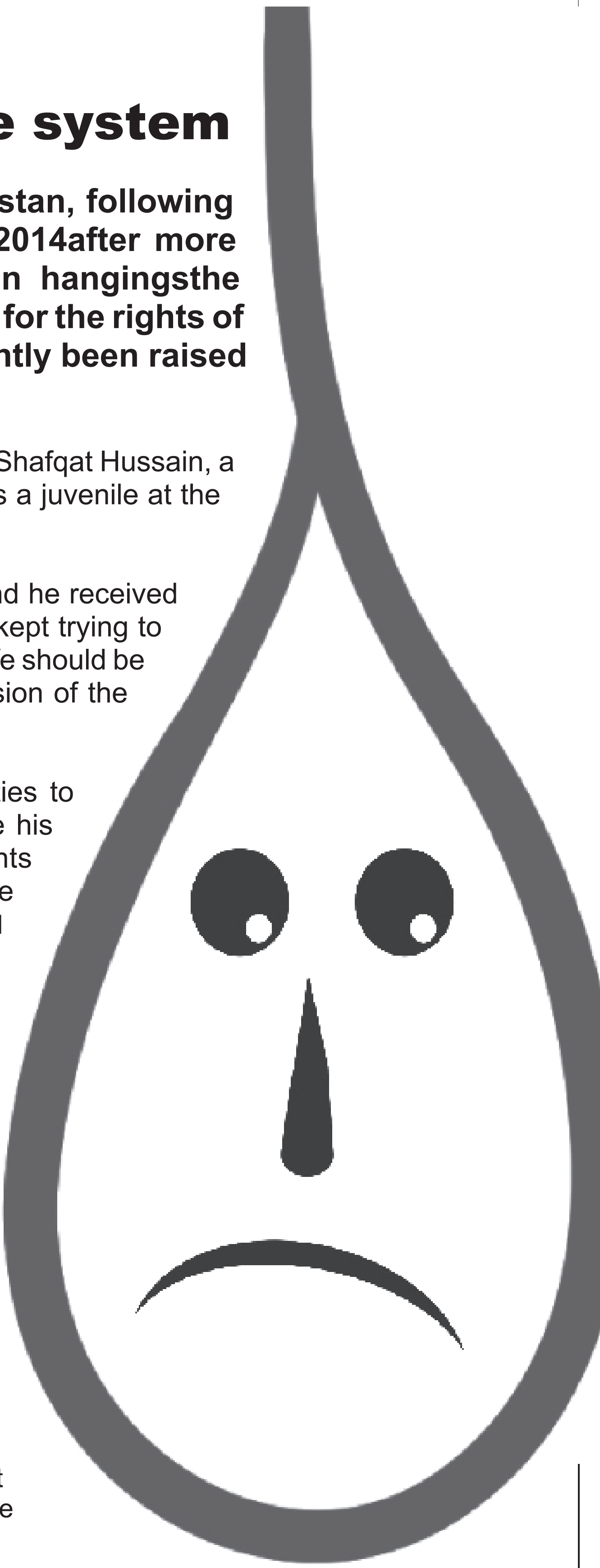

Civil society organisations also called on the authorities to desist from executing Shafqat in haste and determine his age beyond doubt. In March, the Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) had written to the prime minister and the federal minister for the interior and advised caution, stating that if Shafqat was indeed a juvenile at the time when the offence had taken place, his impending execution would be in violation of Pakistan's obligation under the United Nations Convention on the Rights of the Child (CRC) which prohibited state parties from imposing the capital punishment for offences supposedly committed by a person below eighteen years of age. HRCP, which is opposed to the death penalty, had stated that at the very least, until the moratorium was revived, implementation of the death penalty should be confined only to the exceptionally serious cases. Shaqfat's execution was stayed in March, but he was later executed after the courts did not entertain the objections raised by his lawyers.

The lawyers for Aftab Bahadur, a Christian man executed in June 2015 in Kot Lakhpat jail in Lahore, had also claimed that he was no more than 15 at the time of the commission of the offence for which he was awarded capital punishment.

Number of attacks against HRDs/ journalists	January	February	March	April	May	June	Total
2014	1	1	5	2	3	0	12
2015	2	0	1	0	3	5	11

Number of attacks on religious/ethnic minority	January	February	March	April	May	June	Total
2014	5	5	3	5	5	2	25
2015	4	3	2	1	12	0	22

Some emblematic cases of violence against religious minorities are as follows:

- On January 8, 2015, religious extremists and individuals with influence at the local level threatened the local Meghwar and Kolhi community of Hindus, demanding they vacate some land in village Pir Sakhi Shah in Badin, Sindh. The land had been given to the residents by the government for residential purposes and over the years its value had increased significantly. The police and local civil society intervened to confront the three men accused of threatening the community and to reassure the threatened community. Earlier in March 2014, the same community was accused of committing blasphemy by writing on the ground with colors used during the Holi festival. Around a dozen villagers were arrested, charged and released after four months.

- In Orakzai Agency, on January 7, members of the Shia community playing volleyball in Husain Garhi village were targeted in a bombing. Three men were killed and eight injured in the explosion. The villagers alleged that the bomb had been planted by the Taliban.

- On February 13, 2015, two motorcyclists threw hand grenades at a police check post in Bannu City. In the attack, three persons were injured. The check post was situated at the entrance of a residential area where many Christian and Shia families lived. A few days earlier, a six-kg bomb was discovered from a drain in the residential colony which the bomb disposal squad had defused.

While some steps have been taken by the government to remedy the security situation in the country, the neglect of human rights violation that has lasted a long time and has emboldened the perpetrators would not be remedied overnight. Intimidation of human rights defenders and journalists remains widespread while the government continues to look at symptoms alone while ignoring the root causes. While the figures for targeted attacks show a significant decrease, the environment remains insecure. The government must, as soon as possible, identify and rectify the reasons why the policing and criminal justice systems have failed to bring the perpetrators to book and dispense justice to the aggrieved.

bombing near General Bus Stand in Mansehra. The vehicle was escorting a convoy of passenger buses going from Mansehra to Gilgit. Sub Inspector Fareed Khan and Constable Muhammad Ajmal died and two other constables were injured. The police and the Counter Terrorism Department (CTD) personnel carried out raids in nearby refugee settlements on February 4 and arrested 13 persons. The buses had been provided security escorts and asked to travel in convoys of around 50 vehicles after execution-style killings of Shia bus passengers in several incidents on the route over the last few years.

- On February 3, a landmine in Oarmagai area of Central Kurram targeted a security forces convoy headed to Parachinar. The explosion at around 9 am killed four security personnel. The victims were members of the bomb disposal squad and had been moving ahead of the convoy to locate and defuse bombs. No group claimed responsibility.

There was no significant change in the number of attacks against human rights defenders and journalists. While 12 cases were reported in the first half of 2014, 11 were reported over the same period in 2015. The human rights community suffered an irreparable loss with the targeted killing of the journalist and HRCP activist and Zaman Mehsud in Tank District in November 2015. The situation remained precarious for journalists and rights defenders, especially in the tribal districts of FATA and insurgency-affected areas of Balochistan where an atmosphere of insecurity forced the journalists into self-censorship. Some emblematic cases reported to HRCP are as follows:

- In Bahawalpur, on January 10 2015, several policemen severely beat up the bureau chief of a private news channel. The journalist said that he was beaten up and tortured because a report he had filed for the news channel had been critical of a deputy superintendent police (DSP). An FIR was registered against the perpetrators.

- In Badin, on May 5, following a conflict between a former Pakistan People's Party (PPP) minister, and other senior members of the party, five journalists who had been writing in support of the former minister were taken into custody and beaten up by the police. According to media reports, around 100 other supporters of the minister were threatened and harassed by the police on May 13. The police also allegedly registered false cases against some of the victims.

- On June 1, 2015, several men apparently hired by a doctor beat and injured a journalist working for Awami Awaz newspaper while he was on his way to work in Naushero Feroz, Sindh. The journalist, Adnan, had filed a report about alleged malpractice by the doctor leading to a child's death. A case was registered.

In terms of violent incidents directed against religious or ethnic minorities, the situation remained critical. In November 2014, the brutal incident in Kot Radha Kishan occurred where a Christian couple was burnt alive in a brick kiln after being accused of desecration of the holy Quran. In May 2015, as many as 43 persons belonging to the Ismaili community were butchered in Karachi. The nine attackers managed to flee after the incident. The policy recommendations for increasing security of minorities and the need to confront hate speech has only been partially realized. Much remains to be done to end impunity for the perpetrators.

Striving to reclaim lost ground

The year 2015 saw somewhat more focused anti-terrorism action following the adoption of the National Action Plan (NAP) in the wake of the deadly terrorist attack on Army Public School in Peshawar in December 2014.

The plan outlined strict action against literature promoting hatred, extremism, sectarianism and intolerance. The government vowed to prevent militant outfits and armed gangs from operating in the country and militant hideouts and no-go areas, especially in the Federally Administered Tribal Areas (FATA), were targeted. It may be too early to determine what impact a more committed approach to counter terrorism has on rights of vulnerable segments. The figures of human rights violations and crimes reported from around 60 districts across six regions in Pakistan in the first half of in 2015 seem to suggest that there has been some impact.

According to HRCP's figures, the reported incidents of targeted attacks, attacks against human rights defenders and journalists and attack on religious/ethnic minority decreased in the first six months of 2015 as compared to the same period in 2014. While 232 targeted attacks were reported from 56 districts in 2014, the figure was 170 in 2015. The year saw a significant drop in deadly attacks across the country. It is, however, important to highlight that even one case of violation represents failure of the authorities to safeguard citizens' rights and the numbers looked somewhat better only when compared with the higher incidence in the first six months of 2014. Even in 2015, the terrorists could lunch attack such as one in August in which Shuja Khanzada, Punjab's home minister, was targeted and killed.

Targeted attacks	January	February	March	April	May	June	Total
2014	40	41	41	35	46	29	**232**
2015	21	20	25	24	42	38	**170**

Some emblematic cases of targeted attacks are as follows:

- Two incidents of targeted attacks on the so-called settlers, as members of non-Baloch ethnic groups are known in Balochistan, were reported from Lasbela in February 2015. On February 9, two ethnic Sindhi labourers were targeted by unidentified assailants at around 5 pm as they returned home at the end of their work shift at Attock Cement Factory. Both men were killed in the attack. Baloch militants had reportedly warned the factory management against hiring 'settlers'. On February 25, Mehmood Nazeer, an ethnic Punjabi, was shot and killed by two unidentified assailants on a motorbike. He had been working at his motorbike repairing workshop when the assailants, with their faces covered, shot him. A case was registered but no arrests were made. No group claimed responsibility but the involvement of separatist militants was suspected.

- On February 2 at 10:50 pm, a police vehicle was targeted in a remote-controlled

The participants said that before the last general elections, all political parties had been implored to give tickets to women from winnable constituencies. Almost all political parties had opposed the proposal. The consultation concluded that the political parties had not backed women candidates on general seats. They had also failed to politically train female party workers. The civil society should take step in order to provide the required training so that women workers perform better in elections. A look at the holders of prominent public office and political positions does not show women doing too well. None of Pakistan's four provincial governors is a woman. Although several women are recruited through the Civil Service of Pakistan every year but very few make it to the top positions or the higher cadres of the civil and foreign services. There are no female chief ministers. Out of a total of 104 Pakistani foreign missions, only four are headed by women.

Things are not much better in the superior judiciary either. Currently, there are no female judges in the Supreme Court of Pakistan, one woman judge in Balochistan High Court, none in Islamabad High Court, three in Lahore High Court, two in Peshawar High Court, and one in Sindh High Court.

In all the years since the State Bank of Pakistan has existed, only one woman has served as its governor.

The consultation focused at length on the presence and visibility of women in leadership positions was important to break the invisible ceiling not only in government jobs but also in the political and representation spheres.

The participants stressed that women empowerment and progress for women would be made more difficult in the absence of effective and across the board implementation of the quota regime. They highlighted the lack of a systematic evaluation mechanism to gauge how the quota regime was performing.

The speakers at the consultation also discussed the importance of ensuring land rights for women. They said that multiple levels of resistance and competing contests for land invariably meant that women's entitlement was pushed aside. Marriage was used as a tool of governing land arrangements and girls were often not married to hang on to the family land. The question of women's land rights needed to be examined in the larger context of land reforms. Land was still the key to prestige in Pakistan, and denying women land-holding and a voice in panchayats and jirgas extenuated their exclusion. They added that although formal justice system allowed women's access to land, the system based on social norms argued against such access. The state was expected to be more than a spectator in this context.

The land allocated to Haris should be given to couples, rather than the man heading the family, and also to female-headed families.

They said that civil society organisations needed to regularly communicate to parliament actionable points to ensure the implementation and oversight of the affirmative action regime. It was emphasised that parliamentary committees and the national and provincial commissions on the status of women could play an important role in terms of evaluation and oversight.

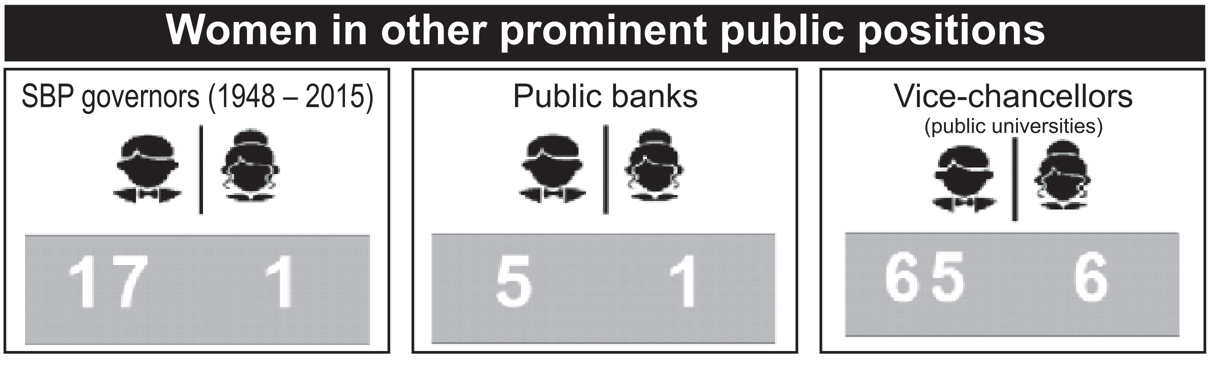

women existed in the first constituent assembly, which was formed soon after the emergence of Pakistan as an independent state. In 1955, a new constituent assembly was elected but again no reserved seats were allocated for women. For the first time in the country's history, three percent seats were reserved for women in parliament in the Constitution of 1956. This arrangement was to continue for a 10-year period. The seats were reserved in such a way so as to ensure equal representation for women from East and West Pakistan. Under the Constitution of 1962 the ratio of women's reserved seats was increased to 3.8 percent. The 1973 Constitution enhanced the reserved seats for women to 5 percent in National Assembly for a period of ten years, but the need for steps to ensure women's representation in the upper house, the Senate, was not addressed. In 1985, the reserved seats for women were increased to 8.4 % in the National Assembly but again no seats were allocated in the Senate. It was not until 2002 that a significant increase in the percentage of seats reserved for women was witnessed and that too in both houses of parliament. The reserved seats for women in the National Assembly, the Senate and the provincial assemblies were increased to 17.5 percent.

A look at the gender disaggregated membership of parliament showed that the reserved seats regime has failed to bring gender parity in representation. The number of women lawmakers, both directly elected and those nominated against reserved seats, is still nowhere near the figure for male representatives. There are only 70 women lawmakers in the National Assembly amongst a total of 318 members. There are only 18 female senators compared to 86 male counterparts.

Women in superior judiciary

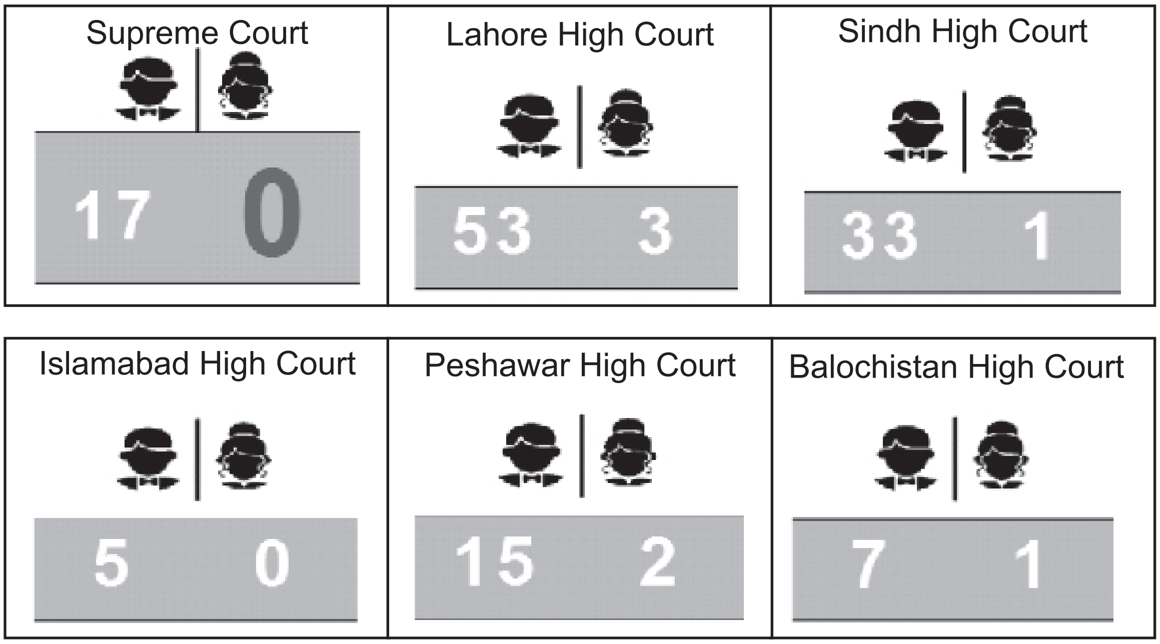

Women's presence and representation in parliament cannot be expanded without a commitment of political parties, since in the present mode of nomination and election the parties are the crucial gatekeepers of women's entry to parliament. In the 2013 general elections, only nine women won seats in the National Assembly through direct elections, far fewer than the 16 women who won general seats in the 2008 elections.

Why quotas alone won't empower women

A number of challenges have prevented women in Pakistan from fully participating in important public spheres. The commitment to women playing a greater role in politics and the national economy seems to have ebbed and flowed over the years. Of the various dimensions of affirmative action to enhance women's participation, raising their representation in the legislature is of particular importance.

Women in parliament and federal cabinet

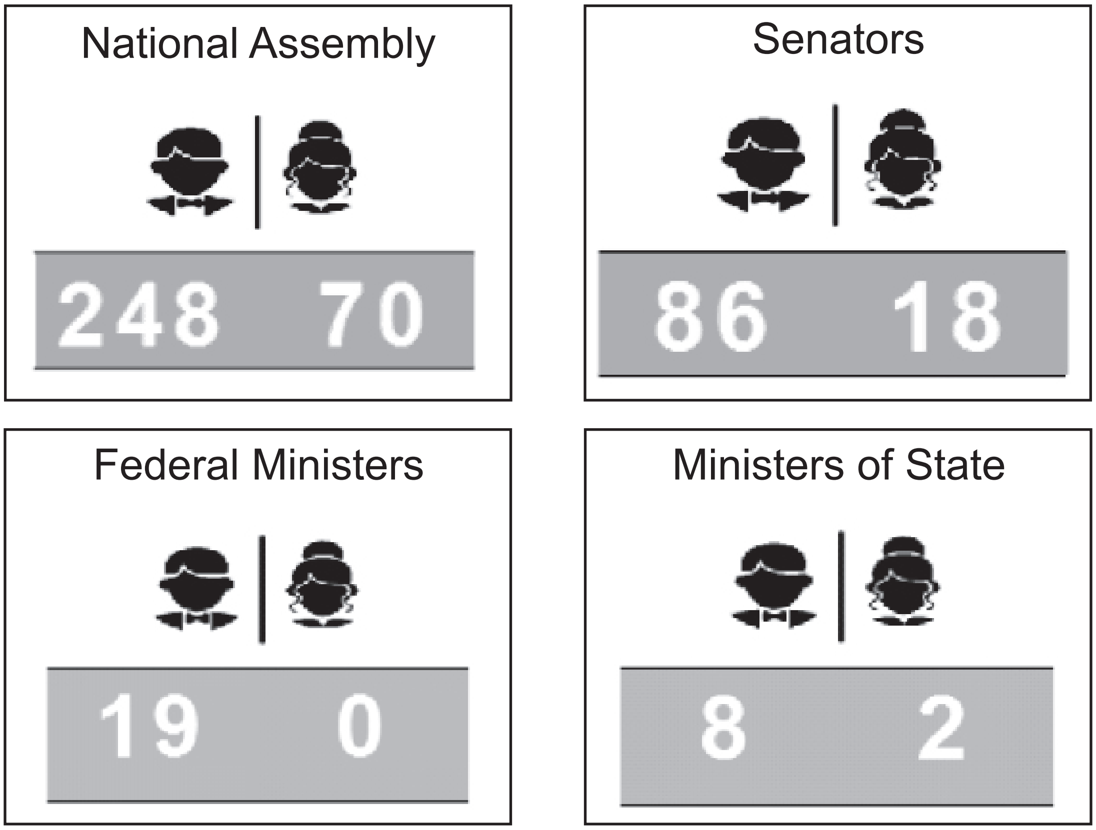

The Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) has long advocated that Pakistan cannot know true progress without acknowledging and benefitting from the hard work of its women population. It also emphasises that women cannot be empowered unless they have financial independence.

On December 11, HRCP organised a consultation in Islamabad to look at the impact of job quotas and reserved seats for women in the legislature as well as land rights for women. Former parliamentarians, lawyers and civil society representatives who attended the event reached the consensus that affirmative action for women, including job quotas and reserved seats in parliament, was a means to an end and not an end in itself.

HRCP shared with the participants the findings of a research aimed at gauging the impact of the affirmative action regime on increasing women's number and visibility in the services or decision-making in general. The research looked at a range of areas, especially in the public sector and the legislature.

A glance at the history of the reserved seats in parliament showed that no reserved seats for

The Peshawar rally was also joined by activists from Tank

prepared with messages to honour the human rights defenders fighting for the rights of their fellow citizens; promote the rights of the homeless; and remember the victims who lost their lives in attacks on their worship place.

HRCP's chapter offices engaged in various activities to observe the Human Rights Day. In Quetta, HRCP in collaboration with Voice for Baloch Missing Person organized a seminar and a demonstration outside Quetta Press Club. Senior members of Balochistan National Party, Awami National Party, National Party, Jamaat-e-Islami, Hazara Democratic Party, lawyers, activists and the civil society participated in the seminar. The participants highlighted the human rights violations that occurred in Balochistan in 2015. Mohammad Raza, secretary general of Hazara Democratic Party, expressed his concern regarding the security of Hazaras, who, he regretted, could not travel safely even to their workplaces due to the serious faith-based security risks they faced.

HRCP Special Task Force Hyderabad held a procession outside the press club. The participants hoped that the federal and provincial governments would attach some priority to promoting human rights. They raised slogans demanding the safe recovery of victims of enforced disappeared; condemned acid attacks on women and attacks on religious places and polio vaccinators. “We want the rights for the peasants, labourers and women workers who draw wages below the poverty line', read a banner in the procession. A delegation of rights activists from Tank also joined the procession. The demonstrators also lit candles in memory of slain human rights defenders.

HRCP Khyber Pakhtunkhwa chapter and the Islamabad offices held demonstrations outside the Peshawar Press Club and National Press Club, respectively. They were joined by lawyers, civil society and political activists and students.

The title of the 12-page table calendar and clips from the jingle – ‘Insani haqooq ka naghma’ prepared for the social media on the occasion. The lyrics were written and narrated by Asad Ali Shah and the song was composed by Youas Bin Saman, who was also the background vocalist, while Farhan Khalid arranged the music.

https://www.facebook.com/189289069683/videos/10153848414039684/

Rights for all
HRCP commemorates Human Rights Day

Every year, 10 December is celebrated in commemoration of the day on which, in 1948, the United Nations General Assembly adopted the Universal Declaration of Human Rights.

The offices and activists of the Human Rights Commission of Pakistan (HRCP) across the country observed the day by holding demonstrations, vigils and discussions in a campaign, for which the theme was 'rights for all'. HRCP dedicated Human Rights Day this year to the memory of Zaman Mehsud, a dedicated human rights defender and HRCP monitor, who was shot and killed in early November for his work to promote human rights.

Top: ***One of the ten placards released on the day. The caption reads – Human rights for all: For all those citizens who were killed because of their faith/sect or views.***
Right: ***Poster published on the occasion, paying tribute to Zaman Mehsud and the other HRCP martyrs.***

HRCP recorded a jingle on the same theme, which was shared on social media and on the commission's website. The campaign also involved printing a calendar, which highlighted particular human rights concerns and vulnerabilities of various sections of society.

A poster commemorating the day to Zaman Mehsud was printed. Several placards were

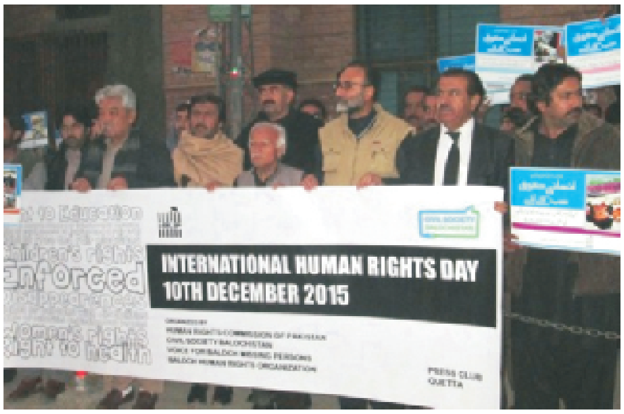

The Quetta and Islamabad rallies

Waking up to citizens' rights

Image distorted intentionally to prevent provocation.

In mid-December, police arrested two traders in Lahore's Hafeez Centre for putting up, at the entrance of their shop, posters that contained hateful remarks against the Ahmadi community. The action by the police came as a surprise, largely because it was certainly a departure from the usual inaction by the authorities, especially with respect to hate speech against the Ahmadis. Human rights organizations and conscious citizens have rightly highlighted that the usual practice of the authorities turning a blind eye to such incidents in the past has acted as tacit approval if not encouragement and has led to impunity for hate-mongers and to rising religious intolerance and acts of violence against religious minorities.

According to media reports, a number of shopkeepers at Hafeez Centre had displayed posters and stickers at the entrance of their shops, with statements such as “We do not do business with Ahmadis” or “Ahmadis are not allowed to enter the shop”. Senior police officers took notice of the posters and ordered the suspects' arrest. In the December 12 raid, a police team made the two arrests and removed the poster from the suspects' shop.

Curiously enough, not only was a case lodged under Section 16 of the Maintenance of Public Order (MPO) Ordinance but also under Section 295-A (deliberate and malicious acts intended to outrage religious feelings of any class by insulting its religious beliefs) of the Pakistan Penal Code (PPC). Previously, Section 295-A has rarely been invoked for using hate material against a non-Muslim.

One day after the arrest, scores of shopkeepers gathered outside Hafeez Centre and chanted slogans against the arrest of the shopkeeper. They also carried placards with degrading remarks against Ahmadis. Media reports have quoted a trader representative who said that the authorities should refrain from intervening in matters related to their religious beliefs.

Clamping down on hate speech is an important action point of the National Action Plan (NAP), which was formulated following the attack on Army Public School in Peshawar in December 2014. A senior police officer said that NAP would be implemented at all cost and strict action taken against the violators. “No one would be allowed to post hate material against any religious group,” the media reported him as saying.

However, even before the NAP formulation, the existing legal framework gave the state enough room to deal with those engaging in hate speech. What was needed was effective implementation and sensitisation of law-enforcement agency personnel.

Besides the domestic legal framework, Pakistan has ratified the International Covenant on Civil and Political Rights (ICCPR), which states: “Any advocacy of national, racial or religious hatred that constitutes incitement to discrimination, hostility or violence shall be prohibited by law”.

And yet incidents of hate speech have not been treated with the sort of seriousness and commitment that they deserve. The recent action is thus a pleasant surprise, which highlights at the same time that the state response to such incidents is not uniform. This is problematic because the state, which is under an obligation to protect all citizens, religious minorities included, from faith-based violence cannot pick and choose which cases it would pursue and which it would ignore because the state's responsibility to protect its citizens from discrimination and violence cannot be selective. It is hoped that going forward the authorities would discover the resolve to deal with hate speech under the law without exception.

Human Rights Commission of Pakistan جہد حق Monthly JEHD-E-HAQ

Monthly JEHD-E-HAQ - January 2016 - Registered No. CPL-13

جلد نمبر 23...... شمارہ نمبر 01 ...... جنوری2016..... قیمت 5روپے

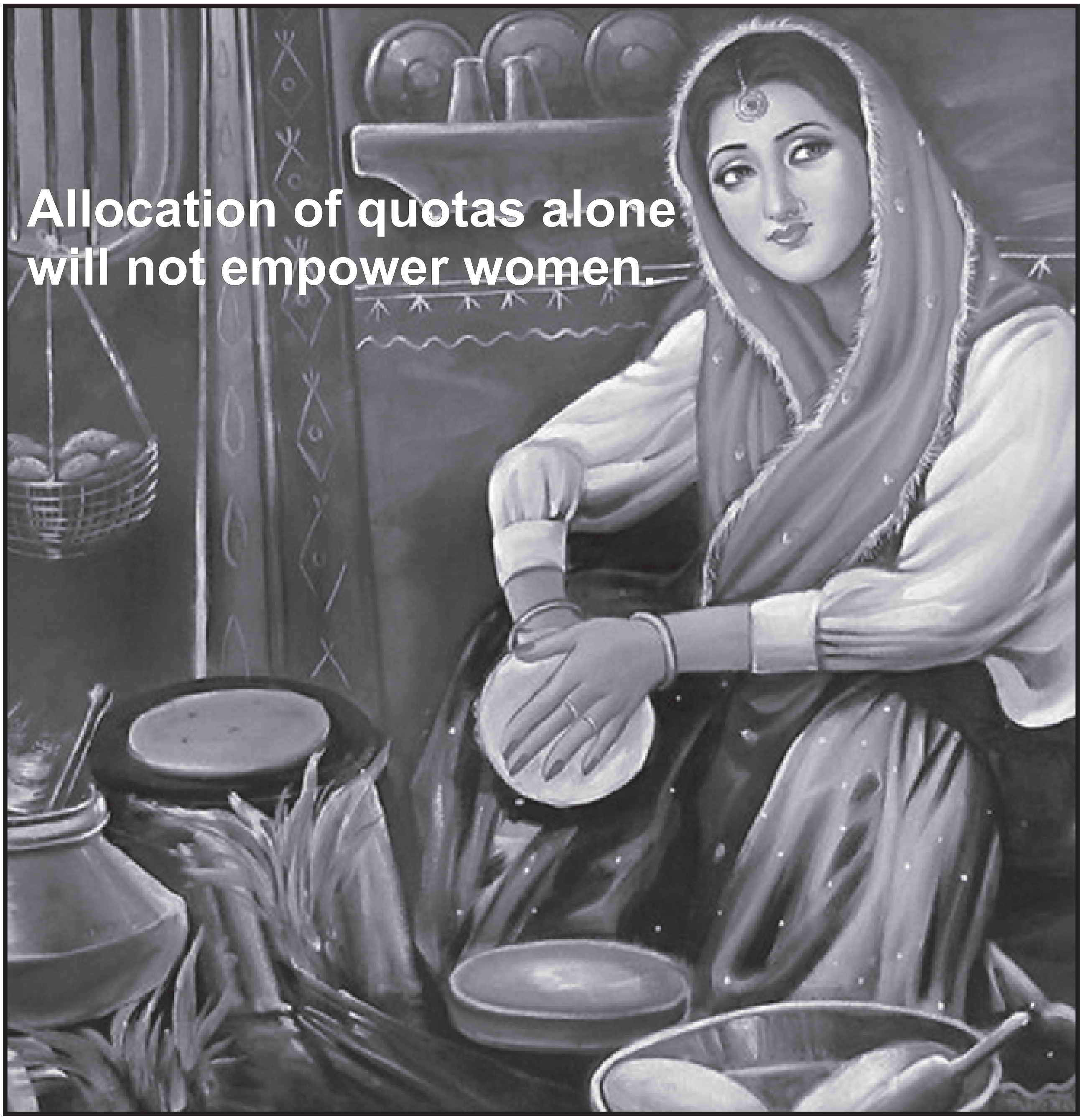

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

"ایوان جمہور" 107۔ ٹیپو بلاک، نیوگارڈن ٹائون، لاہور

فون : 35838341-35864994 فیکس : 35883582

ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ : www.hrcp-web.org

پرنٹر : مکتبہ جدیدپریس، 14ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15